پہلی بیگم

اقبال

مزاحیہ ناول

شوکت تھانوی

پہیلی بیگم

شوکت تھانوی

UQAABI

شفیع برادرز،
پوسٹ بکس ۵۸۶ کراچی-۱

جملہ حقوق بحق محمود ریاض محفوظ

اشاعت ———— ۱۹۸۳ء
ناشر ———— بابر
مطبوعہ ———— احباب پرنٹرز
قیمت ———— ۱۰/- روپے

میری شادی کو چھ سال ہو چکے تھے اور اب میں گویا سو فیصد گھر والی بن چکی تھی یعنی اپنے گھر کے نظام کی سولہ آنہ مالک و مختار اور گھریلو سیاست کے سیاہ و سپید کی مالک۔ خوشدامن بھی یہ کہہ چکی تھیں کہ دلہن اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میری عمر اب ایسی نہیں رہی ہے کہ میں دنیا کے جھگڑے اپنے سر لئے رہوں۔ مجھ کو تم ایک روٹی دے دیا کرو اور میں بے فکری کے ساتھ کھا لیا کروں اور ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتی رہوں۔ چھوٹی نند فیروزہ بھی اپنے گھر کی ہو چکی تھی، مختصر یہ کہ گھر میں اب صرف میں تھی، اور میری بڈھی خوشدامن

صاحبہ تھیں اور میرے صاحب تھے اس کے علاوہ ایک ملازم باہر ایک ملازمہ اور ایک لڑکا گھر کے اندر، یہ تھی وہ چھوٹی سی حکومت جس کے اختیار مجھ کو سونپ کر خوشدامن صاحبہ نے گویا نشین لی تھی اور میں اس چھوٹے سے خاندان کی ذمہ دار بن کر میدانِ عمل میں آ ئی تھی۔ سچ پوچھئے تو میری زندگی بھی کیسی خوشگوار زندگی تھی۔ جب تک میکہ میں رہی ماں باپ کی آنکھوں کا تارہ بن کر رہی اور سسرال آ کر بھی مجھ کو شفقت کرنے والی ساس اور محبت کرنے والی نند اور ——— دنیا کی سب سے بڑی نعمت جس کے تصور ہی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میں فخر کے ساتھ پھولی نہیں سماتی یعنی دنیا میں مجھ کو سب سے زیادہ عزیز رکھنے والے اور میرے دل سے سب کو ہٹا کر اپنے لئے جگہ کرنے والے صاحب مجھ کو ملے۔ شوہر کی محبت دیوانہ وار مجھ کو حاصل تھی یعنی میں ایسے خزانہ کی مالک تھی جس سے زیادہ قیمتی خزانہ ایک عورت کے لئے دنیا میں کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ یقین جانئے کہ اگر میں مشاہیرِ عالم میں سے ہوتی تو دنیا کو صرف یہی پیغام دیتی کہ مبارک ہے وہ عورت جس کو شوہر کی محبت حاصل ہے اور خوش نصیب ہے وہ مرد جو کسی عورت کی تمناؤں کا مرکز ہے۔ میں کیا کہوں کہ میرے جسم میں مسرت اور محبت، محبت اور محبت کے غرور کی کیسی بجلی کوند جاتی تھی، جب میرے صاحب

دفتر سے واپس آکر نہایت محبت سے مجھ کو رضیہ کے بجائے رضو کہہ کر پکارتے تھے اور جب میں ان کا خیر مقدم کرنے کے لئے آگے بڑھتی تھی تو وہ خود ہی فوجی سلام کرکے مجھ کو کس قدر شرمندہ کر دیا کرتے تھے ۔ لیکن اب میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ ہماری خوشگوار زندگی میں کچھ سرد آہیں بھی شریک ہو گئی ہیں اور اس شاداب پھول میں کچھ کانٹے بھی آ گئے ہیں اس کا مطلب خدانخواستہ یہ نہیں کہ میرے صاحب مجھ سے محبت کرتے کرتے گھبرا گئے تھے یا میں ان کی محبت میں کچھ کمی محسوس کرتی تھی ۔ نہیں ۔ بلکہ جس بے کیفی کا میں ذکر کر رہی ہوں وہ ہماری محبت سے قطعاً جداگانہ ایک چیز تھی ، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ہماری محبت کو اور بھی مستحکم بنانے والی ایک چیز تھی ۔ میں جھوٹ نہ بولوں گی ، میرے صاحب نے کبھی مجھ سے براہ راست کچھ نہ کہا البتہ یہ ہوتا تھا کہ جب کبھی میں خوشدامن صاحبہ کو سلام کرتی وہ مجھ کو دعائیں دیتی ہوئی یہ کہتیں کہ "چاند سا بیٹا ہو" اس وقت میرے صاحب پہلے تو کھلکھلا کر ہنسا کرتے تھے مگر اب کچھ روز سے وہ اس دعا پر کچھ چپ سے ہو جاتے تھے بلکہ میں نے یہ کیفیت بھی دیکھی تھی کہ وہ اس دعا کو سنتے ہی آسمان کی طرف خاموشی سے دیکھ کر نہایت متانت سے گردن جھکا لیتے تھے اس کے علاوہ ایک تغیر میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ پہلے جب میں خود انہی حضرت کو سلام

کرتی تھی تو یہ شرارت سے مجھ کو وہ دعائیں دیتے تھے جو خوشدامن صاحبہ دیا کرتی تھیں مگر اب کچھ دنوں سے بس "جیتی رہو تمہارا کماؤ جئے" کہہ کر ہنستے ہوئے رہ جاتے تھے میں ان تغیرات پر غور کرتی اور اپنی بےکسی پر مجبور ہو کر رہ جاتی تھی لیکن ایک دن میں نے صاحب کے دل میں چھپے ہوئے چور کو ایسا گرفتار کیا ہے کہ وہ بھی حیران ہی رہ گئے ہوں گے۔ کہ یہ بیوی ہے یا خفیہ پولیس انسپکٹر۔ ہوا یہ کہ میری سہیلی شمیم مجھ سے ملنے آئی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ پیارا، پیارا، گول مول گورا چٹّا معلوم ہوتا تھا کہ گلاب کا پھول کھلا ہوا رکھا ہے۔ جب صاحب شام کو دفتر سے آئے تو میں ان کے پاس اس بچہ کو لئے ہوئے چلی گئی۔ صاحب نے بچہ کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"یہ کس کا بچہ مانگ لائیں؟"

میں نے کہا، "شمیم کے بلند اقبال ہیں۔"

کہنے لگے۔ "شمیم ——! وہی شمیم جس کی پارسال شادی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا: "ہاں وہی شمیم۔"

کہنے لگے۔ "شادی ہوتے دیر نہیں اور رسید بھی آگئی۔ ماشاءاللہ بڑا پیارا بچہ ہے لاؤ تو اسے ادھر۔"

میری گود سے بچہ کو لے کر چوما چاٹا کئے اور میں نے دیکھا کہ ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ منہ پھیر کر شاید ٹھنڈی سانس بھری اور فوراً نہایت خاموشی کے ساتھ بچہ کو میری گود میں دے کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے ان کی یہ حالت دیکھ کر میرے کلیجہ پر جیسے گھونسہ سا لگا۔ مگر میں نے بات ٹالنے کے لئے ان سے کہا۔

"کیا اس لئے آپ ادھر ادھر جھانک رہے ہیں کہ اس کو کچھ دینا نہ پڑے؟"

ہنس کر بولے: "نہیں۔ بلکہ اس لئے ادھر ادھر جھانک رہا ہوں کہ اگر میں نے اس کو کچھ دیا تو خود کیوں کر کسی سے کچھ وصول کر سکوں گا۔ میرے پاس تو اس قسم کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔"

میں نے ان سے اور صاف کہلوانے کے لئے بن کر کہا: "یعنی؟ میں نہیں سمجھی۔"

کچھ رک کر اور ہنس کر بولے: "بات یہ ہے کہ تم نہ خود ماں بنتی ہو اور نہ مجھ کو کسی کا باپ بننے دیتی ہو سمجھیں یا پھر سمجھاؤں۔"

میں نے چاہا تو تھا کہ ان سے صاف صاف کہلوا لوں مگر ان کے صاف صاف کہنے پر واقعی میں کچھ جھینپ سی گئی اور لڑکے کو لے کر ان کے کمرے سے بھاگ گئی۔ بہرحال آج مجھ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرے

بچے

سرتاج صاحب اولاد کے لئے کس قدر بے چین ہیں اور اس احساس سے مجھ کو اپنی بے چارگی پر صحیح معنوں میں افسوس ہوا۔ میں یہ سوچا کرتی تھی کہ اگر اپنے پیارے شوہر کو آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کے لئے میں اپنی زندگی تک قربان کر سکوں گی تو کروں گی مگر قسمت تو دیکھئے کہ میرے شوہر کو جو خواہش پیدا ہوئی تھی اس کا علاج میرے اختیار ہی میں نہ تھا بلکہ میں خود اس سلسلہ میں ایک مجبور کی طرح بے دست و پا تھی۔ کاش بجائے اس خواہش کے میرے صاحب کو میری زندگی درکار ہوتی، کاش بجائے اس آرزو کے ان کی کوئی ایسی آرزو ہوتی جس کی تکمیل میری قربانی سے ہو سکتی مگر ان کی اس تمنا کا تو میرے پاس کوئی علاج ہی نہ تھا۔

میں شمیم کے رخصت ہونے کے بعد شام تک اسی فکر میں محو رہی، اور وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے رقصاں رہا جب صاحب نے خاموشی کے ساتھ بچہ کو میری گود میں دے کر کھڑکی سے جھانکنا شروع کر دیا تھا۔ میرا دل جیسے کوئی مسلے دیتا تھا اور میں بیقرار تھی کہ کس طرح اپنے عزیز شوہر کی اس دلی تکلیف کو دور کروں۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ صاحب نے اپنی ترنم ریز آواز میں رضو کہہ کر میرے شانہ پر ہاتھ رکھ دیا اور میں فوراً کروٹ لے کر اٹھ بیٹھی تو صاحب نے کہا۔ "شمیم گئیں۔"

میں نے کہا "جی ہاں وہ تو سہ پہر ہی کو چلی گئی تھیں۔"

کہنے لگے "واہ تم نے کیوں جانے دیا ان کو لے کر سینما چلی جاتیں میں نے انتظام کر دیا تھا۔"

میں نے کہا "پہلے تو کہا نہیں اب کہہ رہے ہیں آپ۔"

کہنے لگے "اچھا تم تو چلو گی۔"

میں نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا "میرا دل تو نہیں چاہتا۔"

کچھ پریشان سا چہرہ بنا کر بولے۔

"کیوں، کیوں دل نہیں چاہتا (سر پر ہاتھ رکھ کر) طبیعت تو اچھی ہے؟"

میں نے ہنس کر کہا "جی ہاں طبیعت اچھی ہے یونہی دل نہیں چاہتا۔" مگر وہ سر ہو گئے کہ آخر بات کیا ہے اور بار بار یہی پوچھنے کے بعد بولے۔

"اس وقت تم کچھ پریشان سی بھی ہو یہ معاملہ کیا ہے؟"

میں نے پھر ہنس کر تیزی سے کہا "واہ۔ بھلا کوئی بات بھی ہو۔ خواہ مخواہ میں پریشان کیوں دکھائی دینے لگی۔" ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر چلو۔"

اب میں نے زیادہ انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اٹھ کر فوراً کپڑے

پہنے اور ان کے ساتھ ہو لی، سینما پہنچ کر صاحب نے مجھ کو اپنے پاس ہی بٹھایا اور ہمیشہ وہ یہی کرتے تھے کہ جب اپنے ساتھ مجھ کو سینما لے جایا کرتے تھے تو اپنے پاس ہی بٹھاتے تھے تاکہ فلم کے متعلق مجھ کو سمجھاتے بھی جائیں مگر آج جیسے ہی سینما ہال میں اندھیرا ہوا اور روشن حروف پردے پر تھرتھرائے۔ صاحب نے خود ہی ہنس کر کہا۔

”کیا خوب۔ یعنی راجہ کیا تھا گویا ہم ہی تھے۔“

میں نے پوچھا: ”کیا بات ہے؟“

کہنے لگے: ”اس قصہ کو اس طرح شروع کیا ہے کہ ایک راجہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔“

میں سچ کہتی ہوں کہ سینما آنے سے میری طبیعت ضرور بہل گئی تھی، لیکن وہ منظر اب تک میری نظروں کے سامنے تھا کہ شمیم کے بچّہ کو صاحب نے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر مایوسی کے ساتھ کھڑکی سے باہر جھانکنا شروع کر دیا تھا اس پر طرّہ یہ ہوا کہ یہ فلم بھی گویا میرے لئے ایک عذاب ثابت ہوا کہ جب اس فلم کا آخری منظر دکھا کر ہال میں روشنی کی گئی تو صاحب نے مجھ کو ایسی حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ وہ نظریں میرے دل میں نشتر بن کر پیوست ہو گئیں اور میں سچ کہتی ہوں کہ اگر مجمع کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں چیخیں مار مار کر رونے لگتی صاحب نے مجھ سے نہایت کمزور آواز میں

کہا۔

"چلئے اب۔"

میں بغیر جواب دیئے ہوئے ان کے ساتھ سینما ہال سے واپس چلی آئی۔ سینما سے گھر تک خدا جانے راستہ میں کیا کیا دیکھا ہو گا اور کیا کیا سُنا ہو گا۔ مگر میری سماعت اور بصارت دونوں پر میرا خیال کچھ ایسا غالب تھا کہ نہ میں نے کچھ دیکھا اور نہ میں نے کچھ سُنا بلکہ اپنے ہی خیال میں ڈوبی ہوئی گھر پہنچ گئی میرے صاحب نے غالباً صرف اس لئے کہ میں ان کے محسوسات کا اندازہ نہ کر سکوں اپنی مسنوعی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

"آپ کو غالباً یہ معلوم ہو گا کہ بھوکے کا پیٹ بھرنا ثواب ہے۔"

میں بھی اپنے روتے ہوئے دل کے ساتھ مسکراتی ہوئی اٹھی اور میز پر کھانا لگوا کر صاحب کے ساتھ خود بھی اس خیال سے بیٹھ گئی کہ اگر اس وقت میں نے کھانا نہ کھایا تو صاحب بھی بھوکے رہیں گے۔ صاحب نے اس طرح گویا ان پر اثر ہی نہیں ہے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ تو واللہ تکلف کر رہی ہیں، حالانکہ میں نے پچاسوں مرتبہ عرض کیا ہے اس گھر کو بالکل اپنا ہی گھر سمجھئے، لیجئے یہ مرغ کی "لات" کھائیے۔"

مجھ کو "مرغ کی لات" پر ہنسی آ گئی اور صاحب نے مرغ کی لات کے

متعلق دو تین لطیفے سنا ڈالے، کھانے سے فارغ ہو کر میں پاندان لے کر بیٹھ گئی اور صاحب نے سگار سلگا کر اخبار پڑھنا شروع کیا، وہ تو اخبار کے ذریعے اس وقت دنیا کی سیر کر رہے تھے۔ اور میں ان ہی خیالات میں مستغرق تھی جو آج میرے لئے تمام دن روحانی تکلیف کا باعث بنے رہے۔

"ہاں آپ نے بتایا نہیں کہ آپ سے اور شمیم سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟"

میں نے اپنے خیالات سے چونک کر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"باتیں کیا ہوتیں یہی اِدھر اُدھر کی۔" مسکراتے ہوئے بولے۔

"آج میرے خیال میں وہ آپ سے کچھ لڑ کر گئی ہیں اس لئے آپ کچھ چپ چپ ہیں، آخر کیا بات ہے؟" میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"لڑ کر جانے کی ایک ہی رہی وہ تو غریب بہت ہی سیدھی ہے۔" کہنے لگے۔

"اچھا تو بتایئے کہ آپ کی خاموشی کی کیا وجہ ہے؟"

میں نے کہا: "یعنی خواہ مخواہ۔"

کہنے لگے۔ "نہیں بتایئے گا۔"

میں نے کہا: "کوئی بات بھی ہو۔"

انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بتایئے گا؟ پھر لگاؤں گدگدی۔"

گدگدی کے نام سے میری روح نکلتی ہے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر جلدی سے کہا: "خدا کے لئے ادھر ہی رہیئے۔ میں بتا دوں گی۔"

پیچھے ہٹ کر بولے: "اچھا تو بتایئے۔"

میں نے کہا: "کیا بتاؤں؟"

آگے بڑھتے ہوئے اور گدگدی کا اشارہ کرتے ہوئے بولے: "پھر وہی۔"

میں نے جلدی سے کہا: "نہیں نہیں۔"

میرے بالکل قریب آکر بولے: "تو بتایئے جلدی، جلدی۔ ایک دو،"

میں نے تین کہنے سے پہلے ہی کہا: "سنئے۔ وہاں بیٹھ کر سنئے۔"

وہ جا کر مسہری پر بیٹھ گئے اور میں نے کہا: "سچ مچ کوئی بات نہیں ہے۔"

انہوں نے سنجیدہ ہو کر کہا: "نہیں واقعی معلوم تو ہو کیا بات ہوئی؟"

میں نے خاصدان ان کے آگے بڑھاتے ہوئے اور اپنی مسہری پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں یوں ہی دل پریشان سا رہا۔"

اب وہ اور بھی سر ہو گئے اور اپنی مسہری سے میری مسہری کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے: "دل پریشان رہا؟ بلاوجہ دل پریشان نہیں رہ سکتا اور یہ بھی نئی بات ہے کہ آپ مجھ سے پریشانی کی وجہ چھپا رہی ہیں آج تک تو آپ نے کوئی ایسی بات راز میں رکھی نہیں۔ مگر آج آپ بہت رازداری برت رہی ہیں۔"

میں نے ان کی طرف ان کو اپنا سمجھتے ہوئے تاثرات میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہا۔

"اچھا ایک بات مانئے گا۔"

میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولے۔

"ہاں مانوں گا۔ بتاؤ میں وعدہ کرتا ہوں کر مان لوں گا۔"

میں نے سنجیدگی سے مگر بغیر کسی رنجیدگی کے کہا: "آپ ایک اور شادی کر لیجئے گا۔"

شادی کا نام سن کر پہلے وہ منہ کھول کر خاموش رہ گئے۔ پھر اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں ہنس کر بولے۔

"شادی کر لوں، سبحان اللہ۔ کیا خوب مذاق فرمایا ہے جناب نے۔"

میں نے پھر سنجیدگی سے ان کے بال اپنے ہاتھ سے درست کرتے ہوئے کہا۔ "میں واقعی کہہ رہی ہوں اور یہ میری خواہش ہے کہ اگر آپ کو مجھ سے کچھ بھی قلبی تعلق ہے۔ تو آپ میری اس خواہش کو رد نہ کریں۔"

بات کاٹ کر نہایت۔ پیار سے میرا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولے۔

"پگلی کہیں کی۔ آخر یہ بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا؟"

میں نے کہا: "دیکھئے آپ نے میری کوئی خواہش کبھی رد نہیں کی ہے کیا میری اس خواہش کو رد کر دیجئے گا؟"

ذرا دُور ہٹتے ہوئے بولے۔ "معلوم ہوتا ہے تم نے میرا ٹینس لان برباد کر دیا ہے اور وہاں کی سب گھاس چر گئی ہو۔"

میں نے انکا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "آپ اس بات کو مذاق میں ٹال رہے ہیں اور میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں سچ مچ اس کے لئے بیقرار ہوں کہ آپ ایک شادی اور کر لیں۔"

کہنے لگے: "آخر کیوں کر لوں نہ مجھ کو کتے نے کاٹا ہے نہ آپ نے۔"

میں نے شاعرانہ انداز میں کہا۔ "میرا کہنا مان لیجئے اور شادی کر لیں خدا کی قسم ایسی پیاری پیاری دلہن لاؤں گی کہ آپ بھی بس خوش ہی ہو جائیں۔"

سلام کرتے ہوئے بولے۔ "آپ کی توجہ کا شکریہ مگر مجھ کو بخشش ہی

دیجئے" ایک پیاری پیاری دلہن کے مارے تو ناک میں دم ہے کہ گڑگڑا کر تجھ سے خوشامد کر رہا ہوں اور خاموشی کی وجہ بتائی نہیں جاتی یا بتائی جاتی ہے تو اس طرح بیوقوف بنایا جاتا ہے کہ شادی کر لو گویا میں بالکل فالتو ہوں اپنے گھر کا۔"

میں نے کہا: "خدا کی قسم میں آپ سے سچ کہتی ہوں مجھ کو آپ کی شادی کا ارمان ہے اور میں اسی وقت خوش ہو سکتی ہوں جب آپ شادی کریں۔"

کہنے لگے: "واللہ ارمان کی بھی ایک ہی رہی۔ کسی کو ہوتا ہے اولاد کا ارمان، آپ کو پیدا ہوا ہے سوت کا ارمان واللہ آپ بھی عجائب خانہ کے قابل ہیں۔"

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "جی ہاں میں آپ کی شادی کے لئے اسی وجہ سے بیتاب ہوں کہ۔"

میرے ہاتھ میں چٹکی لے کر بولے: "ہاں، ہاں کہو۔ آپ میری شادی کے لئے اس وجہ سے بیتاب ہیں تاکہ آپ جل جل کر مریں۔"

میں نے کہا: "اس میں جلنے کی کونسی بات ہے۔ دیکھئے ازدواجی تعلقات کا مقصد اول یہ ہے کہ نسل میں ترقی ہو اگر اس مقصد کے لئے میں بیکار ثابت ہوئی ہوں تو میرا فرض یہ ہے کہ میں آپ کو عقد ثانی کی

طرف متوجہ کروں تاکہ آپ کے خاندان کا سلسلہ محض میری وجہ سے منقطع نہ ہو بلکہ آپ کے باپ دادا کا نام چلے اور آپ صاحب اولاد بنیں۔"

منہ چڑھا کر بولے:" اچھا اچھا اب اپنی قابلیت کو رہنے دیجئے معلوم ہے کہ آپ بڑی بقراط کی چچی ہیں لیکن آپ کے رشتہ سے میں بھی اس کا چچا ہوا۔ مجھ کو نہ اولاد کی ضرورت ہے اور نہ دوسری شادی کی. میری شادی ہو چکی ہے اگر قسمت میں اولاد ہے تو ایک ہی بیوی سے ہو سکتی ہے ورنہ مجھ کو نہ قسمت سے شکایت ہے اور نہ بغیر اولاد کے میں یتیم ہوا جاتا ہوں۔"

میں نے کہا:" دیکھئے مجھ کو یہ خوب معلوم ہے کہ آپ میری محبّت کے جوش میں اولاد ایسی نعمت سے بھی ہاتھ دھو رہے ہیں مگر آپ کو اپنی محبّت کی قسم کہ آپ دوسری شادی کر لیجئے۔ میں ان عورتوں میں نہیں ہوں جو سَوت کے نام سے لرز جاتی ہیں اور جنہوں نے سوتیا ڈاہ کو ضرب المثل بنا دیا ہے بلکہ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ میں آپ کا بچہ کھلاؤں اور آپ کے وارث کی خدمت کروں۔"

کہنے لگے:" میرے وارث کی خدمت تو میرے بعد کیجئے گا مگر ابھی تو میری ہی خدمت سے آپ کو فرصت نہیں۔"

میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "خدا نہ کرے ایسی بات نہ کہا کیجئے۔ میں آپ کی زبردستی دوسری شادی کراؤں گی اور اگر آپ کو میرا کچھ بھی خیال ہے تو آپ کو کرنا ہوگی دوسری شادی۔"

آنکھیں نکال کر بولے "کیا واقعی کچھ سر پھر گیا ہے یا آج کچھ پی لی ہے۔ اجی بیگم صاحبہ ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے سوت کے ساتھ بسر کرنا، اور میری چندیا میں بھی اتنے بال نہیں کہ دو جوروؤں کا اکلوتا شوہر بن کر رہوں دوسرے مجھ کو ایسی پیاری پیاری بوٹا سی بیوی کے ہوتے ہوئے آخر دوسری شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ اولاد نہ ہوگی۔ اجی ہم بلی کا بچہ پال لیں گے، کتے کا پلہ لے آئیں گے آپ کا ارمان نکالنے کو یا کسی کو آپ گود لے لیجئے اور خوب دل کے ارمان نکالیئے۔"

میں نے کہا "تو آخر مجھ کو اتنی طوالت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر خود میرے یہاں بچہ نہ ہو سکے تو میں کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلاؤں"

کہنے لگے "اگر آپ کے یہاں ہو سکتا ہے تو پھر کیوں مری جاتی ہیں آپ مارے آرزو کے۔"

میں نے کہا "ہاں مگر اسی طرح کہ آپ دوسری شادی کرلیں۔"

کہنے لگے "لیکن اگر میری دوسری بیوی سے بچہ ہوا تو وہ آپ کا کیسے

ہو سکتا ہے ؟"

میں نے کہا "ہو کیسے نہیں سکتا وہ اپنے گھر سے لائے گی ہو گا تو میرے ہی شوہر کا یعنی میرا۔ ہاں یہ بات ہے کہ اس کی مائیں دو ہوں گی۔ وہ بھی اور میں بھی بلکہ میں ہی اس کو اپنے پاس رکھوں گی اور مجھ ہی کو اپنی ماں سمجھے گا۔"

ہنس کر بولے "رضو تم سخت قسم کی بیوقوف لونڈیا ہو۔ سوتیلی اولاد کے لئے اس قسم کی توقع۔ آستین کے سانپ سے وفا کی اُمید۔ معلوم بھی ہے کہ سوتیلی اولاد آپ کو کھینچ کر کیا بنا دے گی۔"

میں نے کہا "آپ کی بلا سے۔ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں بجتی ہے۔ اگر میں نے اپنا برتاؤ اچھا رکھا تو سب ٹھیک رہیں گے۔"

کچھ اُلجھ کر یا لاجواب ہو کر بولے "اچھا یہ بکواس کرو ختم اور آدمیوں کی طرح یہ بتاؤ کہ کل ہے میری تعطیل کہیں چلو گی یا نہیں ؟"

میں نے کہا "لگے ٹالنے بات کو۔"

ذرا سنجیدگی سے بولے "رضو مجھ کو اس ذکر سے تکلیف ہوتی ہے کیا تم مجھ کو تکلیف دینا چاہتی ہو ؟"

میں واقعی ان کو تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی لہٰذا میں بھی اس وقت چپ ہو رہی اور کل کے متعلق جو دلچسپ پروگرام خود انہوں نے

بنایا اس کو منظور کرکے گفت گو کا رُخ بدل میا۔ تھوڑی دیر تک صاحب اِدھر اُدھر کی دلچسپ گفت گو کرتے رہے اور اس کے بعد سو گئے اور میں بھی ایک عجیب کشش و پیچ کے عالم میں اپنے خیالات کی گتھیاں سلجھاتی ہوئی سو گئی۔

میرے صاحب کو عقدِ ثانی کے نام سے تکلیف ہوتی تھی شدید تکلیف۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ میں اپنے اوپر سوت نہیں لا رہی ہوں بلکہ ان کے اوپر لا رہی ہوں بہرحال جب میں نے یہ دیکھ لیا کہ وہ سچ مچ اس ذکر سے کچھ چڑ سے جاتے ہیں تو میں نے ان سے یہ ذکر کرنا چھوڑ دیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں خود شب و روز اسی اُدھیڑ بُن میں تھی کہ اپنے سرتاج کی دلی تمنا کو کس طرح کامیاب دیکھوں، زمانہ گذرتا جاتا تھا اور صورتِ حال وہی تھی جو اب تک رہی اور آئندہ بھی یہی اُمید تھی کہ اگر صاحب نے عقدِ ثانی نہ کیا تو انکا صاحبِ اولاد ہونا ممکن نہیں مگر آپ ہی بتائیے کہ میں کیسی مجبور رہی

تھی ایک طرف تو خدا کی مصلحت میں دخل دینا میرے امکان میں نہ تھا اور دوسرے صاحب کو عقد ثانی پر راضی کرنا بھی دشوار نظر آتا تھا۔ مختصر یہ کہ میں عجیب بے کسی کے عالم میں تھی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کروں تو کیا کروں، اس زمانہ میں کچھ پریشان سی رہتی تھی کہ گھر جیسے کاٹے کھاتا تھا کسی کام میں دل ہی نہ لگتا تھا۔ خود صاحب کو میری پریشانی کا احساس تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میں کیوں پریشان رہتی ہوں لیکن یہ عجیب بات تھی کہ وہ بجائے میری پریشانی کی وجہ کا علاج کرنے کے یوں ہی میرا دل بہلانے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ کبھی تو مجھ کو لے کر باغ میں چلے گئے اور وہاں تھوڑی دیر اچھل کود رہی اور وقتی طور پر میرے ذہن سے یہ تکلیف دہ خیال نکل گیا، کبھی مجھ کو سینما دکھا لائے کبھی یوں ہی ٹہلنے کے لئے آبادی سے دور گاڑی پر نکل گئے اور وہاں گاڑی چھوڑ کر مجھ سے کہا کہ چلو سڑک پر مردوں کی طرح بے پردہ لیکن ان باتوں سے کہیں میری پریشانی رفع ہو سکتی تھی آخر آپ نے یہ ترکیب نکالی کہ مجھ کو زبردستی ادھر ادھر سہیلیوں اور عزیزوں کے یہاں مہمانی میں بھیجنے لگے مگر میں سچ کہتی ہوں کہ ان تمام باتوں سے بھی میری دل بستگی نہ ہوتی تھی۔ فرض کر لیجئے کہ میں دن بھر کسی کے ہاں مہمان رہی اور وہاں مجھ کو میرے تکلیف دہ خیال نے نہ بھی ستایا تو بھی یہ ہوتا تھا کہ جب میں شام کو آ کر گھر پر پھر اسی ماحول کو دیکھتی تھی تو

میرے خیالات پھر مجھ کو پریشان کر دیتے تھے، مختصر یہ کہ وقتی تفریحوں اور عارضی مصروفیتوں سے میرے مستقل خیالات پر غالب آنے کی کوششیں کی جارہی تھیں وہ سب فضول تھیں اور ان سے میرے محسوسات کو کوئی تسکین نہ ہوتی تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے میں صاحب کے مجبور کرنے سے اپنی ایک ہم جماعت سہیلی نگار کے یہاں مہمان چلی گئی، مجھ کو دیکھ کر نگار کی مسرت کا جو عالم تھا وہ میں بیان نہیں کر سکتی تھی اللہ اللہ پورے چار سال کے بعد نگار سے ملی تھی یعنی شادی کے بعد صرف ایک مرتبہ نگار سے مل سکی تھی وہ بھی اس طرح کہ اس نے مجھے بلایا تھا لیکن باوجود وعدہ کرنے کے میں اس کے ہاں اب تک نہ جا سکی تھی چنانچہ آج مجھ کو دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ گئی اور مارے محبت کے جھنجھوڑ کر رکھ دیا مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پاگل ہو گئی ہے بات یہ تھی کہ اسکول کے زمانے میں میرے اور نگار کے تعلقات ایسے تھے کہ بس ایک جان دو قالب بلکہ اسکول میں ایک چوکڑی مشہور تھی۔ یعنی میں نگار، شکنتلا اور تارہ ہم چاروں اپنے درجہ میں ایک ہی صف میں بیٹھتے تھے اور ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ شکنتلا بیچاری کھانے پینے میں شرکت سے تو مجبور تھی۔ لیکن ویسے ہم چاروں کا یہ حال تھا کہ گویا شیر و شکر تھے اسکول چھوڑنے کے بعد البتہ ہم چاروں

تتر بتر ہو گئے ورنہ اسکول کے زمانے میں تو اس انتشار کا خیال ہی ہم چاروں کے لئے سخت تکلیف دہ ہوتا تھا مگر اب تو یہ ہے کہ میری شادی ہو چکی نگار اپنے گھر کی ہیں۔ شکنتلا کی ہم سے پہلے ہو چکی تھی۔ رہ گئیں تارہ البتہ ابتک آزاد تھیں۔ بہر حال نگار سے مل کر اسکول کی بھولی بسری زندگی آنکھوں کے سامنے پھر گئی، یہی بیوی نگار آج ماشاءاللہ دو بچے والی ہیں اور پھول کر کپّا سی ہو گئی ہیں اسکول کے زمانہ میں ایک سوکھی سی لونڈیا نظر آتی تھیں۔ ہوتا یہ تھا کہ اسکول کے احاطہ میں ایک بیری تھی اور ایک کیتھے کا درخت۔ ہم لوگ گھر ہی سے نمک مرچ پسوا کر لے جاتے تھے۔ اور وہاں کیتھے توڑ توڑ کر کھاتے۔ کتے کی سی کھانسی ہو رہی ہے، راتوں کی نیند کھانسی کی وجہ سے حرام ہو رہی ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا ہے کہ کھٹاس تو زہر ہی ہے مگر میٹھی چیزیں بھی نہ کھائی جائیں اور ہو یہ رہا ہے کہ اسکول میں کیتھے اور بیر اڑ رہے ہیں۔ ہم لوگ کرتے یہ تھے کہ ایک ایک پانی یا پیشاب کے بہانہ سے درجہ سے نکل آتے اور پہنچے کیتھے کے نیچے وہاں ہم بوا نگار کو پکڑ کر دیوار پر چڑھا دیتے تھے یا وہ پہرہ پر رہتی تھی کہ کوئی آتا ہو تو فوراً اطلاع دے اور میں کیتھوں پر ڈھیلے سے نشانے لگاتی تھی۔ شکنتلا بانس سے کیتھے توڑتی تھی ایک دن جو میں نے ایک کیتھے پر تاک کر ڈھیلا رسید کیا تو وہ درخت کی ایک شاخ سے

ٹکراتا ہوا ٹھیک نگار کی پیشانی پر لگا اور وہ بیچاری سر پکڑ کر دیوار پہ ہی بیٹھ گئی، لگا خون بہنے، ادھر میرا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں خون کی بوند نہیں۔ فوراً نگار کو ہم لوگوں نے دیوار سے اتارا شکنتلا نے اپنی ساڑھی سے ایک دھجی پھاڑ کر مرہم پٹی کی اور کوئی لڑکی ہوتی تو اس وقت آفت ہی آگئی تھی مگر نگار نے پٹی بندھواتے ہی میرے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"تم کیوں چپ ہو تمہارا کیوں بُرا حال ہو رہا ہے۔ چوٹ تو میرے لگی ہے تمہاری غلطی تھوڑی ہے۔"

اس وقت مجھ کو وہ تمام باتیں یاد آرہی تھیں اور نگار ادھر ادھر پھُدکتی پھر رہی تھی کبھی برف توڑ کر پھلوں میں ڈالنے میں مصروف ہے تو کبھی آئس کریم کی مشین صاف کرا رہی ہے۔ میں نے اس کی ساڑھی کا آنچل پکڑ کر کہا۔

"اری وہ بھی ہے کیھتا؟"

اس نے چلتے چلتے ہنسی سے بل کھاتے ہوئے کہا "ہاں ہاں یاد ہے اور تیرا ڈھیلا بھی یاد ہے۔"

میں نے کہا "کھانسی کی کیا دوائیں ہم لوگ کرتے تھے۔"

اس نے آئس کریم کا سامان باہر بھیج کر کہا "اور وہ جو چٹائی ہوئی

تھی۔"

میں اس واقعہ کو کچھ بھول سی رہی تھی لہٰذا میں نے کہا "کب؟"

اس نے میرے زانو پر دوہتڑ مارتے ہوئے کہا "نیکی اترے تجھ پر بھول گئی وہ چار چوٹ کی مار جب تو نے دھوکے میں مس کیسل کو دھکا دیا تھا اور وہ گر پڑی تھیں۔"

مجھ کو واقعہ یاد آگیا لہٰذا میں نے بات کاٹ کر کہا "ہاں ہاں یاد ہے اور یہ بھی یاد ہے کہ میرے پٹنے پر تو ہنسی تھی چڑیل کہیں کی۔"

ہوا یہ تھا کہ ہمارے درجہ میں ایک مس کیسل جغرافیہ اور سلائی کی کلاس لیتی تھیں ویسے تو وہ نہایت سیاہ فام تھیں یعنی ہم لوگ ان کو "کالا کوا بھجنگا ہفتہ کا روز" کہتے تھے مگر ان کا ڈیل ڈول بالکل نگار سے ملتا جلتا تھا۔ چنانچہ ایک دن جو اپنے درجہ سے نکلی تو مس کیسل جا رہی تھیں ان کی پیٹھ میری طرف تھی میں بالکل یہ سمجھی کہ نگار ہے لہٰذا میں نے چپکے چپکے جا کر ان کو ایسا زور کا دھکا دیا ہے کہ وہ پنکھا کھینچنے والی کے اوپر قلابازی کھا گئیں اب جو میں دیکھتی ہوں تو مس کیسل۔ میرا دم ہی تو نکل گیا۔ میں لگی خود بخود رونے اور اوپر سے انہوں نے مارے طمانچوں کے میرا برا حال کر دیا، پھر بڑی مس صاحبہ سے بھی شکایت کی اور انہوں نے بھی خوب ڈانٹا اسی واقعہ کو آج نگار نے یاد دلایا تھا، یہ کمبخت

میرے پٹنے پر یا مس کیمبل کے اس بری طرح لڑھکنے پر مارے ہنسی کے مری جاتی تھی۔ چنانچہ آج بھی اس کا اس واقعہ کو یاد کر کے مارے ہنسی کے بُرا حال تھا، میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

”آج شکنتلا اور تارہ بھی ہوتیں تو کیسا اچھا تھا۔“

نگار نے اپنی ہنسی ختم کرتے ہوئے کہا: ”شکنتلا تو پونا میں ہے اور تارہ تو یہیں ہے ابھی چار پانچ روز ہوئے میں گئی تھی وہ تم کو بہت یاد کرتی ہے مگر بہن ابھی تک بالکل ویسی ہی کیسگلی لونڈیا ہے آج کل تو ان کی شادی کا زور ہے بہت سی نسبتیں آئی ہوئی ہیں۔ میں جو گئی تو اس چڑیل نے چپکے سے مجھ کو وہ تمام خطوط دکھائے جو اس کی نسبت کے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔“

کہنے لگی۔ ”تیری قسم اس نے سب خطوط دکھائے اور لڑکوں کی تصویریں تھیں۔“

میں نے کہا: ”عجیب لونڈیا ہے۔ اس سے ملنے کو بھی بہت دل چاہتا ہے۔“

نگار نے کہا: ”تو میں بتاؤں چلو آج ہی چلیں ہم تم دونوں۔ موٹر ہے ہی تھوڑی دیر میں چلے آئیں گے۔“

میں نے نیم راضی ہوتے ہوئے کہا: ”مگر اب اتنا وقت کہاں ہے

دل تو چاہتا تھا جانے کو۔"

نگار نے کہا: "وقت کیوں نہیں ہے ابھی بجا ہی کیا ہے، ایک بجا ہوگا چلو دو بجے چلیں اور چار بجے تک واپس آجائیں گے۔"

میں راضی ہوگئی تو نگار نے موٹر کے لئے کہلوا دیا اور خود بھی تیار ہوگئی چنانچہ ہم دونوں آئس کریم وغیرہ کھا کر موٹر پر ستارہ جبیں عرف تارہ کے یہاں پہنچ گئے، تارہ نے جو ہم دونوں کو غیر متوقع طور پر دیکھا تو مارے خوشی کے اس کا عجیب حال ہوا مجھ سے تو اس طرح لپٹی کہ کسی طرح چھوڑنے کا نام ہی نہ لیتی تھی اور بیوقوفی دیکھئے کہ وفورِ مسرت میں لگی رونے۔ وہ کہئے کہ نگار نے اس کو ٹھونک پیٹ کر درست کیا مگر واقعی ہم لوگوں کی محبت اسکول کے زمانہ تک محدود نہ تھی بلکہ آج بھی اس محبت میں وہی جوش باقی تھا۔ تارہ ہم دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں پہنچی اور وہی اسکول کی باتیں شروع ہوگئیں اور اس نے بھی مس کیسل کے گرنے کا قصہ ہنس ہنس کر اور ہنسی کے مارے قلابازیاں کھا کھا کر بیان کیا۔ آخر میں نے کہا،

"کیوں ری اپنی نسبت کے خط سب کو دکھاتی پھرتی ہے۔"

کہنے لگی: "تو کیا ہوا۔ تم لوگوں کو بھی دکھا دوں، میں نے یونہی اب نگار کی بچی کو دکھائے تھے اسی نے تم سے جڑ دیا ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "تو مطلب تیرا یہ ہے کہ مجھ کو نہ دکھائے گی۔"

چپکے سے بولی۔ "تم بھی دیکھ لینا ذرا امی جان کمرے سے ہٹیں تو میں اڑا لاؤں۔"

یہ کہتے ہی اس کے ذہن میں خدا جانے کیا بات آئی کہ دوڑتی ہوئی امی جان کے پاس پہنچی اور ان سے کچھ کہہ کر پھر آگئی۔

میں نے پوچھا۔ "کیا کہہ آئیں ان سے؟"

کہنے لگی۔ "میں نے ان کو چاء بنانے کے لئے ٹالا ہے۔ یہاں سے وہ جائیں تو میں لاؤں خط۔"

اتنے میں تارہ کی والدہ کمرے سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف گئیں اور یہ بلا لپک کر الماری میں سے ایک بنڈل اٹھا لائی، کہنے لگی۔

"لو ایک ایک کر کے خط دیکھو۔ مگر خط کیا کرو گی دیکھ کر تصویریں دیکھو۔" یہ کہہ کر خود اس نے ایک تصویر نکالی اور میرے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔ "یہ بیچارے مہاتما گاندھی کے چھوٹے بھائی ہیں اور دس برس سے برت رکھے ہوتے ہیں۔ دیکھو تو موئے کی ہڈیاں پسلیاں کوٹ کے اندر سے دکھائی دے رہی ہیں اور مرا جاتا ہے شادی کے لئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شادی نہ ہوئی تو جان دے دیگا۔"

نگار نے کہا: "بہن مرد کی صورت نہیں دیکھی جاتی سیرتِ دیکھی جاتی ہے۔ ایسا محبت میں بدحواس میاں ملے گا نہیں۔"

تارہ نے کہا: "خیر آپ رہنے دیجئے اس ڈھانچے کی سفارش کرنے کو۔ یہ دیکھو دوسری تصویر۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک دوسری تصویر دی اور کہنے لگی: "یہ صاحب لڑکے کے والد نہیں بلکہ خود لڑکا ہیں، داڑھی پیدائشی ہے اس سے بیچارے مجبور تھے نخاس میں کبوتر بیچتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں لڑکی کے نام اپنی جائداد لکھنے کو تیار ہوں جو ایک لاکھ کے قریب ہوتی ہے۔ ابوجان نے جواب دیا ہے کہ "میں لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لڑکی بیچنے کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں ہے۔"

میں نے اس تصویر کو واپس دیتے ہوئے کہا: "اور۔"

تارہ نے جھانک کر اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے جو باورچی خانہ میں تھیں کہا: "یہ لو تیسری تصویر آپ "ڈن لپ" موٹر ٹائر کا اشتہار ہیں اور بچپن سے اب تک گلیکسو کھاتے کھاتے آدمی نقارہ بن گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسی نمبر کا فٹبال رکھا ہوا ہے۔ یہ دلو کا بچہ مہتروں کا جمعدار یعنی سینٹری انسپکٹر ہے۔ کھوپڑی پر ایک بال بھی نہیں شیشے کی طرح چندیا چمک رہی ہے بریلی کا رہنے والا ہے موا پگلا ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "تو کیا سب ایسے ہی ہیں۔"

کہنے لگی۔ "بس دیکھے جاؤ۔ یہ لو چوتھی تصویر آپ تاس کی گڈی سے نکل کر بھاگے ہیں، چڑی کا غلام تم نے دیکھا ہی ہوگا اسی کی نسل کے ہیں آپ ماشاءاللہ ٹھیکیدار ہیں دو بیویاں کھا کر مجھ غریب کو کھانے کے لئے منہ پھیلائے ہوئے ہیں۔"

اس کے تبصروں پر نگار کا اور میرا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا مگر وہ اپنے حسین چہرے کو اس وقت انتہائی سنجیدہ بنائے ہوئے تھی اور جل جل کر تبصرے کر رہی تھی کہنے لگی۔

"یہ لو تصویر دیکھو معلوم ہوتا ہے یتیم خانہ میں زندگی بسر ہوتی ہے۔ ابو جان نے لیڈر میں شادی کا اشتہار دیا تھا وہ سمجھے کوچوان کی جگہ خالی ہے جھٹ درخواست معہ تصویر بھیج دی۔"

میں نے اس تصویر کو دیکھ کر واپس کر دیا تو اس نے ایک اور تصویر دیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ملاحظہ فرمایئے اور آپ کا حدود اربعہ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ منہ جھاڑ، سر پھاڑ معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کو ڈرانے والا جوجر ہے۔

آپ ہیں تو ملک الموت کی صورت مگر فرماتے ہیں طبابت یہ

دیکھے، موا داغدوش کا بچہ۔"

مجھے ہنسی تو آ ہی رہی تھی مگر اس "داغدوش" کے بچہ پر تو اچھو ہو گیا۔ میں نے کہا۔

"یہ داغدوش کیا بلا ہوتی ہے؟"

اس نے سنجیدگی سے کہا، "تم کو نہیں معلوم ایک جانور ہوتا ہے دیکھو بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔"

میں اس وقت تارہ کے شاداب حسن کو ہی دیکھ رہی تھی اور اس کی شرارت کو بھی کہ وہ کس طرح ایک ایک تصویر دکھاتی جاتی تھی اور ہر تصویر پر کیسے ریمارک کر رہی تھی۔ اس کا حسین چہرہ اس وقت کھلا ہوا گلاب کا پھول ہو رہا تھا جس پر شرارت اس طرح چمک رہی تھی گویا گلاب کے پھول پر سنہری دھوپ پڑ رہی ہو۔ اس نے ایک اور تصویر دیتے ہوئے اپنے پتلے پتلے ہونٹوں کو جنبش دی۔

"میری بہن تمہیں خدا کی قسم ذرا دیکھو تو اس موئے کو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ ختو بختو کا تماشہ دکھاتے ہیں یا کباب لونگچڑے بیچتے ہیں۔"

میں نے اس تصویر کو دیکھا تو یہ ایک خوشرو جوان کی تصویر تھی شریف زادہ معلوم ہوتا تھا، تندرستی بھی اچھی تھی، انگریزی لباس میں

چشمہ لگائے بیٹھے ہوتے کتاب اس طرح پڑھ رہے تھے کہ آنکھیں بالکل جھکی ہوئی نہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دونوں آنکھیں موجود ہیں۔ میں نے اس تصویر کو دیکھ کر کہا۔

"تو پھر اسی سے کرلے یہ تو بُرا نہیں ہے۔"

تارہ نے اپنے خوبصورت چہرہ پر سے اپنے سنہری بال ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ابھی سنو تو سہی آپ کی صفات حمید کہ آپ ایسی جورو چاہتے ہیں جو بالکل میم کی بچی ہو یعنی بے پردہ، بال کٹی ہوئی، پیانو بجانے کی ماہر، گانا بھی عمدہ جانتی ہو۔ انگریزی گانا جاننے والی کو ترجیح دی جائے گی، موٹر چلانا بھی جانتی ہو۔ مختصر یہ کہ سودیشی نہیں بلکہ ولایتی بیوی درکار ہے۔"

نگار نے کہا۔ "تو اس میں کونسی دقّت ہے۔ ان تمام باتوں کی تعلیم دو ہی مہینے میں حاصل ہو سکتی ہے اور بال میں آج ہی کاٹ دوں۔"

تارہ نے اپنے حسین چہرہ پر سینکڑوں شکنیں پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میں کیوں بال کٹواؤں میں ایسے انگریز کے بچے کو اپنی جوتی کی نوک پر مارتی ہوں۔ ابوجان نے اس موئے خبطی کا خط دیکھتے ہی اس کو لکھ دیا کہ آپ نے غلطی کی کہ ولایت سے میم نہیں لائے۔"

یہ کہہ کر اس نے باورچی خانے کی طرف جھانک کر دیکھا اور اس طرف سے اطمینان کر کے ایک اور تصویر دیتے ہوئے کہا۔

"آپ کے ماشاء اللہ ایک بیوی اور نصف درجن بچے پہلے سے موجود ہیں اور اب دوسری شادی کا شوق چرایا ہے ایسے مردوں کو تو دل چاہتا ہے کہ ایسی جگہ مارا جائے جہاں پانی نہ ملے صورت دیکھو تو اس موئے خبیث کی جیسے کوئی جلاد۔ آپ بچہ سقہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔"

میں نے کہا: "خیر بری ہوں یا بھلی مگر تصویریں ہیں درجنوں، مجھ کو تمہارے خریداروں کی فہرست تیار کرنا پڑے گی۔"

تارہ نے کہا۔ "نہیں اب دو ہی تین باقی ہیں۔ یہ دیکھو اس تصویر پر ابو جان بری طرح پھسلے ہوتے ہیں اور غالباً یہی حضرت کامیاب بھی ہو جائیں۔"

میں نے اس تصویر کو لے کر دیکھا ہی تھا کہ میرے ہاتھ سے تصویر چھوٹ کر گر پڑی، حیرت اور تعجب اور انتہائی تعجب کے ساتھ میں نے پھر تصویر کو اٹھا کر دیکھا، آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں دل اس کے یقین کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ یہ میرے صاحب کی تصویر تھی جو اب کے جاڑوں میں کھنچوائی تھی۔ اس وقت میرا دل دھڑک رہا تھا اور میں ایک ایسے عالم میں تھی کہ بیان نہیں کر سکتی۔

میں نے اپنے کو سنبھال کر تارہ سے کہا۔

"کیا ان کا خط بھی ہے؟"

تارہ نے خط دیتے ہوئے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ تم کو یہ حضرات پسند آ گئے۔"

میں نے بغیر جواب دیئے خط پڑھا اور اپنے تعجب کو یقین سے بدل دینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچ گئی کہ صاحب میری خواہش کی تکمیل تو کر رہے ہیں مگر اس کو میری خواہش بنا کر نہیں بلکہ اپنی خواہش بنا کر مجھ کو فریب خوردگی کے عالم میں مبتلا رکھ کر اس تصویر کے دیکھنے کے بعد ہی چائے آ گئی اور چائے کے بعد تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد ہم لوگ رخصت ہو گئے۔

تارہ کے یہاں سے واپسی کے بعد ہی مجھ کو اپنے محسوسات کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم ملا۔ دنیا اس پر حیرت کرے گی آخر مجھ کو یہ معلوم ہو کر اس قدر تعجب اور تعجب بھی ذرا تکلیف دہ قسم کا تعجب کیوں تھا جبکہ میں خود یہ چاہتی تھی کہ میرے صاحب عقد ثانی کریں اور عقد ثانی کر کے صاحبِ اولاد بنیں۔ گویا مجھ کو تارہ کے یہاں جو کچھ معلوم ہوا تھا وہ خود میری خواہش تھی مگر میں کیا بتاؤں کہ صاحب کے اس طرزِ عمل نے مجھ کو کس قدر ”گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل“ کی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجھ کو خوشی تھی۔ میں سچ کہتی ہوں کہ انتہائی خوشی تھی کہ میرے صاحب

میری اس خواہش کی تکمیل کر رہے ہیں اور مزید خوشی اس بات کی تھی کہ وہ میری اس خواہش کی تکمیل میری خواہش کے طور پر نہیں بلکہ اس خواہش کو اپنی خواہش بنا کر کر رہے ہیں مگر افسوس کہ انہوں نے اس سلسلہ میں مجھ کو بھی نسائیت کی اسی پستی میں دیکھا جہاں عورت کے لئے موت سے بھی خوفناک درجہ اگر کوئی ہے تو اس کے سر پر سوت لانا اور اس کو سوتیا ڈاد میں مبتلا کرنا۔ اس میں شک نہیں یہ عورت کی فطرت ہے مگر میں دنیا کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں پاگل سہی، دیوانی سہی. بہرحال عورت کی اس فطرت سے بالکل غیر متعلق ہو کر سچے دل سے اس بات کے لئے کوشاں تھی کہ میرے صاحب میرے کہنے سے اپنی ایک نئی دلہن یعنی میری ایک خوبصورت سوت لائیں اور اس کے یہاں ایک چاند سا بیٹا پیدا ہو جس کو میں نہایت فخر کے ساتھ گود میں لے کر صاحب کے پاس جاؤں اور ان کی گود میں دے کر ان سے کہوں کہ

’’ہاں اب کھڑکی کی طرف دیکھ کر آہیں بھریئے۔‘‘

اور ہنس ہنس کر ان سے کہوں کہ

’’اللہ اللہ آپ کو بھی اولاد کی کیسی تمنّا تھی!‘‘

مگر صاحب نے میرے ان تمام ولولوں کو سرد کر دیا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان کو مجھ پر اعتبار نہ تھا، وہ عورت کو اس حد تک دغاباز

سمجھے ہوتے تھے گویا کہ میں رسماً ان سے عقد ثانی کے لئے کہہ رہی ہوں میرا قول میرے فعل سے جداگانہ ہے۔ میں جو کچھ اپنی خواہش ظاہر کر رہی تھی وہ دراصل میری خواہش نہیں ہے بلکہ میں اس سے درپردہ پناہ چاہتی ہوں اور یہی سب کچھ سمجھ کر میرے اس اصرار کو فریب جانتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ واقعی عقد ثانی کرنا چاہتے تھے اور کر رہے تھے مگر مجھ سے چھپا کر، مجھ سے چرا کر اور مجھ کو تاریکی میں رکھ کر۔

میں انہی خیالات میں مستغرق تھی کہ صاحب نے کمرہ میں داخل ہو کر اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"ہلو مسٹر رضو۔"

اور یہ کہہ کر میرے دونوں شانے پکڑ کر ہلانے لگے۔ میں نے بھی زبردستی ہنسنے کی کوشش کی مگر باوجود کوشش کے بھی مجھ کو ہنسی نہیں آئی۔ یہاں تک کہ صاحب نے بھی میرے اضمحلال اور پژمردگی کو تاڑ لیا اور پھر وجہ پوچھنے پر سر ہوتے تو خدا کی پناہ۔ میرا ناک میں دم کر دیا یہاں تک کہ میں تارہ اور نگار کے یہاں کے تمام مناظر بھی ذہن سے نکال کر ان کی طرف متوجّہ ہونے پر مجبور ہو گئی۔ میں نے اپنے اضمحلال اور پریشانی کے متعلق چالاکی کے ساتھ بچا بچا کر جھوٹی قسمیں بھی کھائیں اور پوری طرح یقین بھی دلا دیا مگر وہ ایک نہ مانے اور برابر یہی

کہتے رہے کہ "آج ضرور میری رضو نے ستیہ گرہ کیا ہے" یہاں تک کہ نہ تو انہوں نے مجھ کو کھانا لانے کے لئے اٹھنے دیا اور نہ کسی اور کام کے لئے بلکہ وہ یہی کہتے رہے ہیں تو اس وقت تک کھانا ہی نہ کھاؤں گا، جب تک کہ مجھ کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کس نے میری رضو کو آنکھ دکھائی اور کس کی مجال کو آنکھ نکالنا ہے میں نے آخر میں ہنس کر ان سے کہہ دیا کہ اچھا میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی بشرطیکہ آپ اس وقت اطمینان سے پہلے کھانا کھالیں اور اس کے بعد جب میں آپ سے کچھ کہوں تو اس پر سنجیدگی اور ہمدردی سے غور کریں۔ صاحب اس پر راضی ہو گئے۔ لہٰذا پہلے تو ہم دونوں نے کھانا کھایا۔ میں نے محض اس لئے کھانا کھایا کہ صاحب بھی کھالیں اور صاحب نے اس لئے کھایا کہ ان کو میری پژمردگی کی وجہ معلوم کرنا تھی اس کے بعد ہی صاحب سگار سلگا کر آرام کرسی پر لیٹ گئے اور میں پان بنانے لگی صاحب نے وجہ معلوم کرنے کے لئے سینکڑوں تقاضے کر ڈالے یہاں تک کہ جب میں برابر پاندان کی طرف متوجہ رہی تو آرام کرسی سے اٹھ کر میرے دونوں شانے پکڑ کر مجھ کو آرام کرسی کے ہتھے پر بٹھا دیا اور خود پھر آرام کرسی پر لیٹ کر بولے۔

'ہاں صاحب فرمائیے۔"

میں نے کہا "میں اپنی خاموشی کی وجہ بتانے والی تھی کہ دراصل

کوئی وجہ ہی نہیں۔"

صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا: "یہ غلط ہے جناب ہمارے اور آپ کے درمیان پہلے ہی معاہدہ ہو چکا ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ آپ وجہ بتائیں گی اور میں سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کروں گا۔"

میں نے اپنے کو یکایک سنجیدہ بناتے ہوئے کہا: "اچھا تو میں اب سنجیدہ ہوں، مگر آپ بھی سنجیدہ ہو جائیے۔ اس وقت بات ٹالنے کا خیال اپنے دل میں نہ لائیے گا۔"

صاحب نے کہا: "بہت اچھا سرکار" اور آنکھیں بند کر کے اس انداز سے لیٹ گئے کہ گویا جو کچھ میں کہوں گی اس کو وہ واقعی سنجیدگی اور غور کے ساتھ سنیں گے۔ میں نے ان کی بند آنکھوں کے بعد ان کے چہرہ کو دیکھا جس پر آج وہ معصومیت روندی ہوئی پڑی تھی۔ جو آج سے پہلے مجھ کو ہمیشہ نظر آئی اور جس نے مجھ کو ہمیشہ ایک فریب عالم میں مبتلا رکھا۔ بہر حال مجھ کو تو ابھی ان حضرت کے دل کا چور پکڑنا تھا لہٰذا میں نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

'میں آج آخری اور قطعی طور پر اپنی اس درخواست پر آپ کا فیصلہ سُننا چاہتی ہوں کہ آپ اپنے لئے نہ سہی میرے لئے اپنا عقد ثانی کر لیں اور محض میری وجہ سے اپنی نسل کو اپنے تک ختم نہ کریں۔"

اللہ رے شاطر چور کہ میرے ان الفاظ کے بعد بھی صاحب کے چہرہ پر کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا گویا جو کچھ میں تارہ کے یہاں سن کر بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں وہ سب میرا وہم ہے۔ صاحب نے انتہائی متانت سے کہا۔

"رضو۔ افسوس ہے کہ تم نے پھر وہی تکلیف دہ ذکر چھیڑا جس سے میں ہمیشہ بھاگتا ہوں مگر آج تم کو اپنا قطعی جواب دیئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں اپنی رضو کے اوپر سوت نہیں لا سکتا۔"

یقین جانیئے صاحب کے ان محبت بھرے الفاظ پر مجھ کو خوشی کے مارے پاگل ہو جانا چاہیئے تھا جیسا کہ میں پہلے ان کے اس جذبۂ محبت پر فخر آمیز از خود رفتگی کے عالم میں اکثر مبتلا ہو گئی ہوں مگر آج تو میں جانتی تھی کہ مجھ کو نہایت شاطرانہ طریقہ پر بیوقوف بنانے اور مستقبل سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے لہذا میں بھی طے کر چکی تھی کہ آج یا تو اقبال جرم کرا دوں گی ورنہ خود ہی بھانڈا پھوڑوں گی حالانکہ مجھ کو ابھی ضبط سے کام لینا چاہیئے تھا اور در اصل ضرورت تھی صبر اور انتظار کی مگر میرا تو یہ حال تھا کہ گویا پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ بہر حال میں نے صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

' آپ مجھ پر سوت نہ لائیے لیکن اگر میں اپنے اوپر خود ہی لے

آؤں تو؟"

صاحب نے کہا: "کیا معنی اس کے؟"

میں نے کہا: "میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی خوشی سے نہ کیجئے میں اپنی خوشی سے آپ کی شادی کر دوں۔"

صاحب نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا: "دیکھو رضو اب میں اپنے معاہدہ پر قائم نہیں رہ سکتا تم نے نہایت مہمل بات کے لئے مجھ سے سنجیدگی کا وعدہ لیا ہے۔"

میں نے انکا ہاتھ پکڑ کر زور دیتے ہوئے کہا: "آخر آپ مجھ کو یہ بتا دیجئے کہ آپ مجھ پر سوت لانا کیوں نہیں چاہتے کیا محض اس لئے کہ بعض عورتیں سوت کا مطلب سمجھتی ہیں موت۔"

صاحب نے کہا: "اچھا تو تم واقعی سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے سننا چاہتی ہو تو سنو کہ میں تم سے کبھی کم سے کم مقدار میں بھی تم سے خفا نہیں ہوا لیکن اگر میں تم سے انتہائی بیزار بھی ہوتا تو تم کو اس قدر سخت اور آخری سزا قیامت تک نہیں دے سکتا تھا جس کے لئے تم اپنی حماقت سے مصر ہو۔ عورت کے لئے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی عذاب نہیں ہو سکتا کہ اس کا شوہر اس کے علاوہ کسی اور کا بھی شوہر ہو اور اس کا شوہر اس کے علاوہ کسی اور کو بھی محبت بھری نظر سے دیکھے۔

ہماری معاشرت نے عورت کو حقوق دیئے ہیں وہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن عورت اس حق تلفی پر بھی محض اس لئے خوش ہے کہ تمام حقوق کے مالک یعنی مرد کی ملکیت خود اس کو حاصل ہے۔ وہ صرف اس یقین پر زندہ رہ سکتی ہے کہ اس کے شوہر کے جملہ حقوق اس کے نام محفوظ ہیں اور صرف شوہر ہی ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم ہونے والی نہیں"

باوجود اس کے کہ میں صاحب کو ان کے اصلی رنگ میں دیکھ رہی تھی اور باوجود اس کے کہ اب ان کا یہ محبت والا بہروپ میری نظروں میں ایک — نقطِ بے معنی ہو کر رہ گیا تھا مگر میں اپنے تمام جذبات اور تاثرات کے ساتھ اسوقت بھی اسی جگہ تھی جہاں آج سے پہلے مجھ کو دیکھا گیا ہے میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ اس وقت کی تقریر سے میرا دل چاہتا تھا کہ اس قدر روؤں اور اس قدر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں کہ میں اس بوجھ سے سبک ہو جاؤں جو تارَہ کے یہاں سے واپسی کے بعد سے مستقل طور پر مجھ کو کچلے دیتا تھا "صرف شوہر ہی ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم ہونے والی نہیں" کس قدر سچی بات ہے اور پھر لطف یہ کہ میرے صاحب کو یہ تمام باتیں معلوم ہیں جس کے بعد انہوں نے میری بلا شرکت غیرے ملکیت پر ڈاکہ ڈالا ہے اُف رے سنگدل وفا نا آشنا مرد تو سچ مچ ایک معمہ ہے اور تیرا ایسا پتھر دل رکھنے والا قیامت تک عورت کے

لطیف اور نازک احساسات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اب آپ ہی دیکھئے کہ میں بھی یہی چاہتی تھی کہ صاحب عقد ثانی کریں اور خود صاحب بھی وہی کر رہے تھے مگر فرق یہ تھا کہ میں صاحب کو اپنی ملکیت سمجھتی تھی اور صاحب پر مجھ کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ میرے ساتھ شادی کرنے کے بعد اب خود بھی اپنے نہیں رہے ہیں بلکہ میرے اور صرف میرے ہیں، لہٰذا میں ہی اگر چاہوں تو ضرورتاً اپنی ملکیت میں کسی اور کو شریک کرلوں ورنہ نہ تو کسی کو اس کا حق پہنچتا ہے اور نہ خود صاحب کو اس کا اختیار ہے میں اپنے اس حق کا استعمال نہایت بزدلی کے ساتھ کرنا چاہتی تھی اور اپنے ہاتھوں اپنے صاحب کو گویا ایسی لمٹیڈ کمپنی بنا رہی تھی جس کے دو برابر کے مالک ہوں۔ ایک میں اور دوسری میری آوردہ میری سوت۔ مگر صاحب نے میرے اس دعوے کو ٹھکرا دیا، میری اس پندار کو پاش پاش کر دیا اور میرے اس زعم کا سر نیچا کر دیا یعنی انہوں نے مجھ کو اپنی روحانی ملکہ نہ سمجھ کر اپنے کو اپنی ذات کا مالک سمجھا اور مجھ کو باخبر کئے بغیر میرے حقوق پر نہایت سنگ دلی کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ کرلیا اور پھر آج آپ ہی فرما رہے ہیں کہ "شوہر ہی ایک ایسی چیز ہے جو تقسیم ہونے والی نہیں" گویا آپ اس کلیہ سے مستثنیٰ قسم کے شوہر تھے بہر حال میں ان جھوٹے دعووں اور شکر میں لپٹی کنین کی گولیوں کو نہایت ضبط و تحمل

کے ساتھ برداشت کرتی رہی ۔ صاحب نے اپنا خطبۂ شوہرانہ جاری رکھتے ہوئے کہا ۔

"میں ایک سے زیادہ شادی کو مذہبی حیثیت سے خواہ کیسا ہی کیوں نہ سمجھوں مگر موجودہ دورِ زندگی کو دیکھتے ہوئے مردوں کی سراسر زیادتی بلکہ اکثر اوقات درندگی سمجھتا ہوں، پھر غضب یہ ہے کہ آپ میری شادی اپنے ہاتھوں کرنا چاہتی ہوں گویا ع

زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

رضو تم اس کو اپنی فراخ دلی، وسیع النظری، بلندی اور رفعتِ خیال سمجھتی ہو مگر میں اس کو تمہاری وہ حماقت سمجھتا ہوں جس کے ماتحت تم خودکشی پر آمادہ ہو رہی ہو...... ! میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آج تک فطرت نے کوئی بھی ایسی عورت پیدا نہیں کی ہے جس نے سوتن کی مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا ہو، مجھ کو افسوس ہے کہ میں تمہارے اس دعوے کو تمہاری ناتجربہ کاری، حماقت اور پاگل پن سمجھتا ہوں ابھی تم اونٹ کے اوپر بیٹھ کر اپنے کو بہت بلند سمجھ رہی ہو مگر تمہارا اونٹ پہاڑ کے نیچے نہیں آیا ہے۔ مہربانی فرما کر اس خیال کو ذہن سے نکال ڈالو اور اپنے کو اس عالم میں دیکھنے کی آرزو نہ کرو کہ تمہاری یہ ہنستی ہوئی گلستان سے ہمکنار زندگی خون کے آنسو رلانے والی خاردار زندگی بن جائے۔ میں ہمیشہ

تمہاری اس تجویز پر ہنسا کرتا ہوں مگر مجھ کو تمہارے اس بھولے پن پر ترس بھی آتا ہے کہ تم اپنا درد اپنے ہاتھوں خریدنا چاہتی ہو —— ہو بڑی گدھی۔ رضو چاہے تم برا مانو اور معاف کرنا تھوڑی سی پگلی بھی۔ بلکہ منہ پر کہنا تو خوشامد ہوگی مگر تھوڑی چغد بھی ہو —— بہرحال اب میرا دماغ نہ کھانا۔"

دیکھئے صاحب نے وہی باتیں کہیں۔ یعنی وہ میرے اس دعوے کو جھوٹا سمجھتے تھے اور ان کو اس کا پورا پورا یقین تھا کہ دنیا کی کوئی عورت یہ بلا اپنے سر نہیں لے سکتی۔ خیر اس کا تجربہ تو ان کو بعد میں ہوگا مگر اب میں بھی ان کو یہ دکھانا چاہتی ہوں کہ اگر عورت اپنے شوہر کو خوش رکھنا چاہے تو شوہر کی خوشی پر اپنے اس جذبہ کو بھی کس خندہ پیشانی کے ساتھ قربان کرسکتی ہے۔ میں نے صاحب سے کہا۔

"دیکھئے تو آپ اس کو میری بیوقوفی سمجھئے یا نادانی مگر میں آپ کو اپنے اور آپ کے درمیان میں ایک نہایت باریک سا فرق دکھانا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ بحیثیت ایک عورت کے میں دنیا کی عورتوں سے قطعی مختلف نہیں ہوں اور نہ اس سوکن والے قضیہ میں میرے محسوسات دنیا کی عورتوں سے جداگانہ ہیں۔ یقیناً کوئی عورت اس کو برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کا شوہر اس کی طرف سے نظریں پھیر کر کسی اور کو اپنا مرکز نظر بنائے لاریب

کہ یہ درجہ عورت کے لئے موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ درجہ ہے مگر یہ تکلیف ان عورتوں کو ہوتی ہے جن کے شوہر آپ ایسے نہیں ہوتے بلکہ وہ ضرورت سے یا بنا ضرورت جس طرح دل چاہتا ہے بے قصور بیوی کو اپنی نگاہ لطف سے محروم بنا کر کسی اور خوش نصیب عورت کو اس کا زبردستی حقدار بنا دیتے ہیں ایسی حالت میں اس محروم القسمت عورت کا سوت کے برابر سمجھنا یقیناً حق بجانب ہے مگر خدانخواستہ میرا شوہر درندہ نہیں ہے جو اس درندگی کے ساتھ مجھ پر ستم توڑے گا کہ مجھ کو اپنی تباہی کا شبہ بھی نہ ہو اور میری دنیا یکایک بدل جاتے یعنی ناگہانی طور پر سوت مجھ پر قیامت کی طرح نازل کر دی جائے میں تو زبردستی آپ کو اس طرف متوجہ کر رہی ہوں. آپ کو اپنا سمجھ کر اپنے اس حق کو خود ہی استعمال کرنا چاہتی ہوں کہ اپنے ہاتھوں آپ کو دوسرے کے سپرد کر دوں بلکہ میں تو آپ کی ہوں ہی۔ میں گویا آپ کی نئی دلہن اس لئے لاؤں گی کہ مجھ کو ایک اسسٹنٹ مل جائے۔ ایسی حالت میں میرے جلنے یا میرے رونے یا میرے مرنے کا کونسا امکان ہے' البتہ آپ اگر مجھ کو فریب دے کر مجھ سے چھپا چھپا کر اور چپکے چپکے خود ہی اپنی شادی کر لیں تو بیشک یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنے حقوق خود ہی کسی کہ نہیں دیتے بلکہ آپ نے ناجائز طور پر مجھ کو محض کمزور سمجھ کر میرے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے مگر

خدانخواستہ آپ خود تو اس طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہے ہیں اور نہ اس حد تک انسانیت سوز ظلم آپ روا رکھ سکتے ہیں یہ تو میری خواہش ہے۔“

صاحب نے اپنی پیشانی پر دو چار شکنیں پیدا کر کے ایک جھٹکے کے ساتھ آرام کرسی چھوڑ دی اور اپنے سر کے بالوں کو مروڑتے ہوئے بولے۔

‘ اچھا خیر چھوڑو اس ذکر کو، میں غور کروں گا۔ تم تو بہت تکلیف دہ حد تک اس قصہ کو طول دیتی ہو۔ میں تو پریشان ہو گیا۔“

یہ کہتے ہوئے صاحب پردہ اٹھا کر باہر چلے گئے اور یہاں میں نے دل ہی دل میں ہنس کر کہا۔

‘ تم مجھ کو شکر میں لپیٹ کر کُنین کھلاؤ مگر میں تم کو کُنین کا ست پلا کر رہوں گی۔ سچی بات پر کیسا ناچے اور کیسا تاؤ آیا۔“

اب مجھ کو رسماً نہیں بلکہ انتظاماً اس کی ضرورت تھی کہ تارہ سے برابر ملتی رہوں تاکہ صاحب کی نقل و حرکت کا مجھ کو علم ہوتا رہے اور جو اس سلسلے میں مجھ سے چھپا کر فرما رہے تھے لیکن براہ راست تارہ سے ملنا، اس کے یہاں جانا اور اس کو اپنے یہاں بلانا قرینِ مصلحت نہ تھا اور اس طرح بھانڈا پھوٹ جانے کا اندیشہ تھا میں دراصل ایک طرف تو صاحب کو اس سے لاعلم رکھنا چاہتی تھی کہ وہ مجھ سے چھپا کر میری ہی ایک سہیلی کو میرے اوپر سوت بنا کر لانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دوسری طرف تارہ کو بھی یہ خبر کرنا نہ چاہتی تھی کہ میں ہی اس کی ہونے والی سوت ہوں لہٰذا میں نے یہی مناسب

سمجھا کہ اس سلسلہ کی بیچ کی کڑی نگار کو بنایا جائے اور میں اس کو اپنا رازدار بنا لوں لہٰذا یہ سوچ کر میں نے نگار کو لکھ بھیجا کہ میرا دل تم سے ملنے کو چاہتا ہے۔ آج ہی تھوڑی دیر کو آ جاؤ بہت سی ضروری باتیں بھی کرنا ہیں اس خط کے جواب میں میری پیاری سہیلی آموجود ہوئی نگار کے آنے کے بعد میں نے صاحب کو نکالا گھر سے کہ تشریف لے جائیے اور نگار کو اپنے کمرے میں لا کر اِدھر اُدھر کی گفتگو شروع کر دی وہی اسکول کی باتیں، وہی تارہ، شکنتلا اور دوسری لڑکیوں کے تذکرے، وہی اپنی شرارتوں کے قصّے اور وہی استانیوں کے ذکر شروع ہو گئے۔ اپنی اس زمانہ کی حماقتیں یاد کر کے ہم دونوں دیر تک ہنستے رہے۔ آخر نگار نے پوچھا۔

“ہاں وہ کیا باتیں تھیں جو آپ مجھ سے کرنا چاہتی تھیں اور جن کے لئے آج مجھ کو ایسی تکلیف دی کہ میں نے تمہارے بہنوئی صاحب بہادر کو بھی گھر میں قید کر دیا اور سیدھی یہاں چلی آئی۔”

میں نے ہنستے ہوئے کہا: “بھائی صاحب کو قید کر دیا۔ وہ کیسے؟”

نگار نے کہا: “جی ہاں۔ بس وقت تمہارا پرچہ پہنچا ہے۔ آپ آئینہ کے سامنے کھڑے ہوئے ٹائی باندھ رہے تھے۔ میں نے پرچہ دیکھتے ہی کہا کہ، آپ کو بھی رضیہ بیگم گرفتار کیا جاتا ہے۔”

کہنے لگے "رضیہ کے حق میں گرفتار کیا جاتا ہے زہے قسمت۔"

میں نے بات کاٹ کر "تم ہی تو مذاق اڑواتی ہو میرا۔"

نگار نے کہا "ہاں تو میں نے تمہارا پرچہ پڑھ کر ان کو سنا دیا اور پھر کہا میں تو جاتی ہوں، اب آپ بیٹھئے بچوں کے پاس۔ کہنے لگے بچوں کو بھی لیتی جاؤ نا۔ میں نے کہا جی نہیں۔ اگر آپ رکھ سکتے ہوں تو ان کو رکھ لیجئے ورنہ میں نوکر کے پاس باہر بھجوا دوں۔ مجبوراً کہنے لگے کہ بہتر ہے صاحب آپ کی سہیلی کے لئے جہاں سب کچھ قبول ہے وہاں یہ بھی سہی۔"

میں نے کہا "جی ہاں ہر ایک سے آپ کو ایسا ہی عشق ہوتا ہے۔"

بہر حال میں نے ان کو کیا قید بچوں کی دیکھ بھال کے لئے اور خود چلی آئی، بات یہ ہے کہ اب مجھ کو پورا اطمینان رہے گا۔ میں سچ کہتی ہوں رضو کہ ان میں باپ بننے سے زیادہ ماں بننے کی صلاحیت ہے۔ بچوں کو ایسا رکھتے ہیں کہ کوئی عورت کیا رکھے گی۔ اب میری عدم موجودگی میں نہلائیں گے ان کے کپڑے بدلیں گے۔ بڑے بچے کو کھانا کھلائیں گے۔ چھوٹے کو دودھ بنوا کر پلائیں گے۔ اور بچے بھی ان کے پاس ایسے خوش رہتے ہیں کہ گویا میری تو کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اچھا خیر یہ تو سب باتیں ہیں ہی۔ بتاؤ کہ کیا بات تھی آخر؟"

میں نے نگار کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا "پیاری نگار مجھ کو تم

سے یہ کہنا تو نہیں چاہیئے مگر کہتی ہوں کہ تم سے جس سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لئے میں نے تم کو بلایا ہے وہ فی الحال ایک نہایت راز کی بات ہے لہٰذا اس کو تم اپنے ہی تک رکھنا۔ یہاں تک کہ تارہ سے بھی کچھ نہ کہنا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں تم کو صرف یہ سمجھنا پڑے گا کہ تم صرف میری پیاری بہن ہو۔ تارا کی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو بات میں کہنے والی ہوں اس کے سلسلہ میں تم کو مجھ سے محبت کی ضرورت ہے لیکن اندھی محبت اور غیر سیاسی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔"

نگار نے کہا: "اچھا اچھا کہو تو سہی۔"

میں نے کہا: "بہن تم کو معلوم ہے کہ میری شادی کو اتنا زمانہ ہو چکا ہے مگر اب تک میرے صاحب کے اس ارمان کی تکمیل نہیں ہو سکی کہ وہ صاحب اولاد ہوتے۔ ان کو جس قدر اس کا ارمان ہے اس کا اندازہ صرف میں کر سکتی ہوں۔ حالانکہ وہ زبان سے کبھی کچھ نہیں کہتے بلکہ اگر کوئی اور بھی کہتا ہے تو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس مبحث کو ٹال دیتے ہیں مگر اب تو حال یہ ہے کہ اولاد کا نام سن کر ان کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اور کچھ کمھلا کر رہ جاتا ہے میں نے اس سلسلہ میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کیا اور کافی غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ ان کو ایک شادی اور کر لینا چاہیئے۔"

نگار نے بات کاٹ کر کہا: ”پاگل ہوئی ہو تم تو ——— شادی کر لینا چاہیئے ان کو ——— چلیں وہاں سے شوہر کی شادی کرانے۔“

میں نے کہا: ”بہن یہ میرا پاگل پن نہیں ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ یہ میرا کارنامہ ہو گا۔ میں دراصل اپنے شوہر کی خوشنودی چاہتی ہوں اور اپنے شوہر کی مرضی پر اپنی خوشی قربان کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔“

نگار نے پھر بات کاٹ کر کہا: ”تو کیا یہ بھائی صاحب کی مرضی ہے کہ وہ دوسری شادی کر لیں۔“

میں نے کہا: ”نہیں ان کی مرضی تو نہیں ہے البتہ اولاد کی خواہش ان کا واحد ارمان بن کر رہ گئی ہے اور ان کی اس خواہش کی تکمیل اگر میری ذات سے ناممکن ہے تو میں اس کو اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ ان کی دوسری شادی کرا کے ان کی اس خواہش کی تکمیل کا سامان کروں۔“

نگار نے گردن ہلا کر کہا: ”اوں ہونھ ——— یہ تمہارا بچپن اور ناتجربہ کاری ہے کہیں ایسا خیال بھی اپنے دل میں نہ لانا، یاد رکھو رضو کہ زندگی دوبھر ہو جائے گی، روتے نہ بن پڑے گا۔ تم اپنی ایسی خوشگوار زندگی کو اپنے ہاتھوں مصیبت کی زندگی نہ بناؤ۔ خدا بچائے سوت کی مصیبت سے ہر عورت کو، بہن میرے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں میں تو یہ کہتی ہوں کہ جس پر سوت کی مصیبت پڑنے والی ہو وہ اس مصیبت کا مقابلہ کرنے سے

پہلے ہی اگر مر جائے تو بہت اچھا ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا: "سنو تو سہی بڑے بڑے قصے ہیں ابھی تم نے سنا ہی کیا ہے۔ میں نے صاحب سے متعدد مرتبہ نہایت سنجیدگی سے مُصر ہو کر دوسری شادی کر لینے کو کہا۔"

نگار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا: "کہہ دیا تم نے ان سے۔

اور مذاق میں بھی نہیں سچ سچ —— اللہ رے تمہارے دیدے شاباش ہے تم کو۔"

میں نے نگار کو چپ کر کے کہا: "پھر وہی پہلے پورا قصہ سن تو لو۔"

"میں نے جب ایک دو مرتبہ کہا تو مذاق میں ٹالتے رہے، اس کے بعد جب میرا اصرار بہت بڑھا تو الجھنے لگے اور قسم کھائی کہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ آخر میں یہ ذکر ان کی چڑ بن گیا اور آج کل بھی جہاں میرے منہ سے یہ ذکر نکلا تو فوراً روٹھ جاتے ہیں اور نہایت ناگواری کے ساتھ اس قصہ کو ختم کر کے یا تو باہر چلے جاتے ہیں یا اخبار وغیرہ پڑھنے لگتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس مبحث پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔"

نگار نے کہا: "بہن تم خوش قسمت ہو کہ ایسا شوہر تم کو ملا ہے موتیوں میں تولنے کے لائق۔ میں سچ کہتی ہوں کہ تمہارے بہنوئی کی طرف سے مجھ کو

پورا اطمینان ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ فدوی قسم کے شوہروں میں سے ہیں۔ آدمی بھی ان کو بہت کم سمجھتی ہوں۔ اللہ میاں کی گائے ہیں۔ یہ سب کچھ سہی مگر میری یہ ہمت نہیں کہ میں ان سے دوسری شادی کے لئے کہوں اور نہ مجھ کو کسی مرد کی طرف سے یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس سے دوسری شادی کے لئے کہا جائے اور خود اس کی بیوی اصرار کے ساتھ کہے اور زبردستی شادی کرانا چاہے وہ انکار کر دے مگر سچ مچ تم کو فرشتہ ملا ہے فرشتہ۔"

میں نے ہنس کر کہا "اچھا یہ سب سن چکیں۔ اب ذرا اس فرشتہ کی شرارت بھی دیکھو کہ مجھ سے تو اب تک یہ انکار اور ادھر میری خواہش کی تکمیل چپکے ہی چپکے مجھ کو لاعلم رکھ کر فرمانے کی فکر میں ہیں۔"

نگار نے ایک دم سے بجلی گرنے کی طرح اچھل کر کہا۔

"اِئے ہے۔"

میں نے کہا "اس روز میں تمہارے ساتھ تارہ کے یہاں گئی تھی نا وہیں مجھ کو ان حضرت کی چوری کا علم ہوا۔ تارہ نے جو مجھ کو تمام خطوط اور تصاویر دکھائیں تو ان میں کی آخری تصویر جس کے متعلق تارہ نے یہ کہا تھا کہ اسی کو منظور کرنے کے امکانات ہیں، ان ہی حضرت کی تھی۔"

نگار نے بھونچکا ہو کر کہا "تم سچ کہہ رہی ہو۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا "تم یقین جانو کہ خود مجھ کو اپنی نگاہوں پر

شک تھا کہ میں ان کی تصویر دیکھ رہی ہوں یا یہ فریبِ نظر ہے۔ اس کے بعد ان کا خط دیکھ کر میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی، مجھ کو صرف تعجب ہے رنج یا افسوس نہیں، میں خود چاہتی ہوں کہ ان کی شادی ہو جائے اور اگر تارہ کے ساتھ ہو جائے تو میں اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔"

نگار نے سخت غصہ کے تیوروں سے کہا: "پاگل ہو گئی ہو کیا مجال جو تارہ کے ساتھ شادی ہو سکے میں آج ہی جا کر تارہ اور اس کی والدہ سے یہ سب قصہ سناتی ہوں اور پھر دیکھتی ہوں کہ کیسے وہاں شادی ہوتی ہے۔ تم اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھو مگر یاد رہے کہ ایسا سر پکڑ کر روؤ گی کہ رویا نہ جائے گا۔"

میں نے ہنس کر کہا: "نگار کہیں ایسا کرنا بھی نہیں۔ تم کو نہیں معلوم کہ میں اس کو منجانب اللہ ایک بہترین انتظام سمجھتی ہوں کہ ان کی نسبت تارہ کے لئے گئی ہے اور وہاں پسند کی گئی ہے۔"

بہرحال ان کی شادی تو کہیں نہ کہیں ہو ہی جائے گی۔ تارہ کے ساتھ نہ سہی کسی اور مہ پارہ کے ساتھ سہی۔ مگر میں یہ چاہتی ہوں کہ اگر ہو رہی ہے تو میری سہیلی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ میری جانی بوجھی میری دوست اور میری پیاری تارہ ہی کیوں نہ میری سوت بنے۔"

نگار نے تنفر کے ساتھ گردن پھیر کر کہا: "تم کچھ حواس میں ہو یا بالکل

بے حواس ہو گئی ہو۔ تارہ سے مجھ کو معلوم ہے کہ تم کو محبت ہے اور وہ تم پر فریفتہ ہے مگر سوت بننے کے بعد کیا تم دونوں ایسی ہی رہو گی جیسی آج ہو، توبہ کرو۔ دوسرے یہ کہ اب بیوقوفی چھوڑ کر عقل سے کام لو اور اپنے صاحب کے اس ارمان کی بلاوجہ ٹھیکیدار نہ بنو بلکہ انہوں نے تم کو بیوقوف بنایا ہے وہ تم کو دھوکہ دے رہے ہیں تو تم بھی ان کی ذرا خبر لو اور صاف کہہ دو کہ تم کو سب خبر ہے جو کچھ تم سے وہ چھپا کر رہے ہیں۔“

میں نے نگار کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ ”پیاری نگار تمہاری اس محبت کا شکریہ میں ادا نہیں کر سکتی۔ مگر تم مجھ کو اس سلسلہ میں میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں خود اپنی سوت لانا چاہتی ہوں اور تم سے صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ کو تارہ سے برابر ملاتی رہو۔ نہ اس کے گھر پر نہ میرے گھر پر تاکہ میں اس سلسلہ سے باخبر رہوں۔“

اب جو میں دیکھتی ہوں تو نگار زار و قطار رو رہی ہے۔ میں نے نگار کو پھر گلے سے لگا لیا اور نہایت محبت سے کہا۔

”واہ ری پگلی تو تو لگی رونے۔“

میرا یہ کہنا تھا کہ نگار کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ کچھ اس طرح روئی کہ میرا دل بھر آیا۔ مختصر یہ کہ ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے کے سینے

سے لگے رویا کئے۔ جب دونوں خوب رو چکے تو میں نے اپنے اور نگار کے آنسو پونچھتے ہوئے نگار سے کہا۔

"تم بڑی بے وقوف ہو نگار اور تم سے بڑھ کر میں بیوقوف ہوں کہ تمہارے بلا وجہ رونے پر مجھ کو بھی رونا آ گیا۔ بہن یہ رونے کی بات تو جب تھی کہ میرے صاحب میری مرضی کے خلاف میرے سر پر سوت لا رہے ہوتے لیکن ایسی حالت میں جبکہ میں خود چاہتی ہوں کہ وہ دوسری شادی کریں اور یہ طے کر چکی ہوں کہ ان کی دوسری شادی کراؤں گی تو اس میں رونے کی کونسی بات ہے۔ تم پڑھی لکھی سمجھدار عورت ہو کر میرے اس فعل کو میری حماقت سمجھتی ہو۔ تم سے تعجب ہے۔ حالانکہ میری طرف سے تو دنیا کی بیویوں کے لئے ایک مثال پیش کی جا رہی ہے اور میں دنیا کو دکھا دوں گی کہ سوتیا ڈاہ کس قدر پست جذبہ ہے اور اس کے مقابلہ میں سوتیا چاہ کس قدر بلند کس قدر فیاضانہ اور کس قدر شریفانہ جذبہ ہے۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ میں تم کو آج نہیں تو کل عملاً یہ دکھا دوں گی کہ میں نہ صرف اپنی سوت سے خوش رہوں گی بلکہ اس کو بھی مجبور کر دوں گی کہ وہ مجھ سے خوش رہے۔ اور تم دیکھ لینا کہ ہم دونوں سوتوں کے تعلقات کس قدر خوشگوار اور کس قدر شگفتہ اور کس قدر خواہرانہ ہوتے ہیں۔ میری اس کوشش میں تم میری صرف اس قدر مدد کر سکتی ہو کہ تارہ کے

یہاں ان کی نسبت جلد سے جلد طے کرادو اور تارہ کو کانوں کان خبر نہ ہونے دو کہ وہ میری سوت بن رہی ہے۔"

نگار نے کہا: "تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے مگر میں تو اس کے لئے تیار نہیں ہوں کہ تم کو بے وقوف بننے میں مدد دوں۔"

میں نے پھر نگار کو گلے سے لگا کر اس کی خوشامد شروع کر دی اور یہاں تک اس کو مجبور کیا کہ آخر وہ بادلِ ناخواستہ تیار ہو گئی کہ تارہ کو اپنے یہاں برابر بلاتی رہے گی اور اس سے ملاتی رہے گی اور یہ طے ہو جانے کے بعد ہم دونوں نے کھانا کھایا اور پھر اس مبحث پر کوئی گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ نگار کا موٹر بھی آ گیا جس کے ساتھ ان کے صاحب کا خط بھی تھا کہ اب قصور معاف کر دیجئے لہٰذا میں نے نگار کو گلے لگا کر رخصت کیا اور اس سے تاکید کر دی کہ جلد تارہ کو بلائے اور مجھ سے ملائے۔

نگار کو میں نے اپنے نزدیک بالکل راضی کر لیا تھا اور میں اسکے جانے کے بعد اپنی جگہ پر مطمئن بھی کہ وہ ضرور اس سلسلہ میں نہایت رازداری کے ساتھ میری مدد کرے گی مگر اس اللہ کی بندی نے تو جانے کے بعد نہ سانس لی نہ ڈکار، گویا بالکل چپ سادھ کر بیٹھ رہی - آخر خود میں نے خط پر خط اور تقاضہ پر تقاضہ شروع کیا تو یہ بوا زیادہ عرصہ تک اس قصہ کو نہ ٹال سکیں اور مجبوراً ایک دن موٹر بھیج کر بلا بھیجا مجھ کو، میں تو گویا اس کی منتظر ہی تھی جیسے ہی موٹر ڈرائیور نے پرچہ بھجوایا میں نے صاحب سے کہا کر میں نگار کے یہاں جاتی ہوں صاحب نے کہا ہم بھی

چلیں گے ہم کو راستہ میں اُتار دیتا۔ میں نے کہا کہ میں کرایہ لے لوں گی، چنانچہ آٹھ آنے پر یہ قصہ طے ہوا، میں نے فوراً اٹھنی نقد کر لی اس کے بعد صاحب کو موٹر پر قدم رکھنے دیا۔ صاحب تھوڑی جا کر اُتر پڑے اور میں سیدھی نگار کے یہاں پہنچی وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ ڈیوڑھی پر ہی نگار اور تارہ دونوں گویا میری تاک میں کھڑی تھیں مجھ کو دیکھتے ہی تارہ نے جھپٹ کر دبوچ لیا اور لگی پاگلوں کی طرح چیخنے۔

"اری میری رضو، اری رضیہ کی بچی۔"

نگار نے کہا "ارے رضیہ وہ یاد ہے کہ تم کو جب ہم لوگ تم کو ستایا کرتے تھے کہ رضیہ کی بچی دال تیری کچی آٹا تیرا پتلا تو کھا گئی ماکڑ بلا۔"

تارہ ہنسی کے مارے لوٹ گئی اور ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا۔ خود مجھ کو بھی نگار کے اس یاد دلانے پر اسکولی زندگی کا یہ سڑی پن یاد کر کے بیساختہ ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا۔

"اور وہ جو لوگ استانی جی کلثوم بیگم سے کہا کرتے تھے کہ استانی جی سلام، آپ کے پیروں کی غلام، آپ کے سونے کا تخت، ہماری چھٹی کا وقت۔"

نگار نے ہنسی سے بیتاب ہو کر اٹک اٹک کر کہا "اس میں وقت اور تخت پر بڑی تشدید بھی تو ہوتی تھی۔ وقت اور تخت۔"

تارہ نے کہا: "وقت کب ہم لوگ کہتے تھے وخت کہتے تھے قاف کی جگہ خ ہوتی تھی' یہ کہہ کر اس نے خ خ خ کر کے جو ہنسنا شروع کیا تو ہنساتے ہنساتے ہم دونوں کا برا حال کر دیا جہاں ہنسی رُکی پھر وہ وخت کہہ کر خ خ شروع کر دے اور ہم لوگوں کو ہنسی کا دورہ پھر شروع ہو جائے دیر تک اسی طرح پاگل پن کی ہنسی ہنستے رہے آخر میں نے کہا۔

"توبہ ہے تارا اب بس کرو۔ پیٹ میں درد ہونے لگا" تارہ سے یہ کہہ کر میں نے ذرا ہنسی کی کیفیات کو دور کرنے کے لئے چند منٹ خاموش رہ کر کہا۔

"کیوں نگار کی بچی، دال تیری کچی، یہ تو نے اتنے دنوں کے بعد مجھے کیوں بلایا ہے؟"

نگار کے جواب دینے سے پہلے ہی تارہ بول اٹھی: "بھئی اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے بات یہ ہے کہ پہلے جب ان صاحبزادی نے مجھ کو بلوایا ہے تو اسی روز میرے والد صاحب بمبئی جا رہے تھے اس کے بعد جب آپ نے بلوایا تو میں خود موجود نہ تھی آگرہ چلی گئی تھی۔"

"اب تو دماغ میں کوئی خرابی نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔ پہلے بھی آپ کی سودائی تھی اب بھی آپ کی دیوانی مشہور ہوں۔"

میں نے کہا: ”دیوانی کے ساتھ کچہری تو کہا کرو۔“

تارہ نے کہا: ”وہاں ہمارے ایک عزیز ہیں ان کو دیکھنے گئے تھے۔“

نگار نے کہا: ”وہاں آپ کے کون سے عزیز ہیں۔“

تارہ نے سنجیدگی سے کہا: ”ہیں ایک عزیز شاید تم جانتی ہو جناب تاج محل صاحب۔“

نگار نے کہا: ”چل دور، سچ بتا کیوں گئی تھی آگرہ؟“

تارہ نے کہا: ”واقعی بس گھومنے اور تاج محل دیکھنے۔ میں نے کبھی تاج محل نہیں دیکھا تھا، امی نے کہا کہ والد صاحب بمبئی کی سیر کر رہے ہیں ہم لوگ آگرہ گھوم آئیں۔“

میں نے کہا: ”ہاں صاحب خوب گھومتی پھرو اور کیا لائیں ہم لوگوں کے لئے۔“

تارہ نے کہا: ”اور کیا لاتی تاج محل ہی ساتھ لیتی آئی ہوں۔“

نگار نے منہ چڑھا کر کہا: ”چڑیل کہیں کی تاج محل کیا لائی دو پیسے کی بھی چیز نہ لائی گئی بدتمیز تجھ سے۔“

تارہ نے کہا: ”مذاق نہیں سچ مچ تاج محل لائی ہوں کسی کو بھیج کر گاڑی میں سے منگوا لو۔“

نگار نے کہا: "اچھا خیر شکریہ آپ کا اور آپ کے تاج محل کا۔ کیسا اب بات کو ٹال رہی ہے۔"

تارہ نے زور دے کر کہا: "ہٹ بیوقوف بیکار کو ٹرٹرائے جاتی ہے یہ نہیں ہوتا کسی کو بھیج کر باہر سے منگوا لے۔" یہ کہہ کر تارہ نے خود ملازمہ کو بلا کر باہر بھیجا کہ باہر جا کر گاڑی میں سے بنڈل اٹھا لائے۔ تھوڑی ہی دیر میں ملازمہ ایک بنڈل لے کر آئی۔ تارہ نے بنڈل کھولتے ہوئے کہا۔

"لو دیکھو یہ تاج محل ہے یا نہیں۔"

اس بنڈل میں دو نہایت خوبصورت سفید پتھر کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے تاج محل تھے، ایک اس نے مجھ کو دیا اور ایک نگار کو۔ اس کے بعد ایک دوسرا بنڈل کھولتے ہوئے جو اسی بنڈل میں بندھا تھا کہا "یہ عطر دان ہیں۔ بات یہ ہے کہ تم دونوں ٹھہریں سہاگن، تمہارے لئے عطر دان بڑی ضروری چیز ہے۔"

یہ عطر دان نہایت ہی خوبصورت اور قیمتی تھے اور ان میں عطر کی شیشیاں بھری ہوئی تھیں، نگار نے تاج محل اور عطر دان ہر طرف سے دیکھ بھال کر ایک طرف رکھ دیا اور نہایت ادب سے کھڑے ہو کر تارہ کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ آپ کی اس غریب پروری کا بیہودہ کہیں کی کوئی کھانے

کی چیز نہیں لائی۔"

میں نے کہا: "نگار تو اب تک چھوری ہے کیا۔"

تارہ نے کہا: "ارے تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ بال بچے ہو جانے کے بعد وہ نگار بدل جائے گی جو چھٹی کے وقت اسکول کے جامن والے درخت کے نیچے دہی بڑوں کے پتے چاٹتی ہوئی نظر آتی تھی۔"

نگار نے جلبلا کر کہا: "اچھا اچھا۔ اور تم۔ تم جو کافی مٹھائی والے کے خونچہ پر مکھی کی طرح بھنکتی ہوئی نظر آتی تھیں۔"

میں نے کہا: "خیر خدا کا شکر ہے کہ میں ایسی ندیدی نہ تھی اور پیٹو۔"

تارہ نے کہا: "کیا کہنا ہے آپ کا وہ بھول گئیں جب مس کلائیڈ کے ناشتہ دان سے پوری کیاب ہم سب نے چرایا تھا اور تو پیچھے پڑ گئی تھی کہ میرا بھی حصہ لگاؤ۔"

نگار نے کہا: "ارے ہاں تارا پھر یہ یاد نہیں پڑتا کہ مس کلائیڈ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کیا کہا تھا؟"

میں نے اور تارہ نے ایک ساتھ بولنے کی کوشش کی آخر تارہ ہی نے کہا۔

"چھٹی کے وقت بڑی تیاریوں کے ساتھ آپ ناشتہ دان لے کر مس ولیم کے کمرے میں گھس گئیں، یہ دونوں ساتھ کھانا کھاتی تھیں نا،

اور اس دن اتفاق سے مس فاطمہ کی بھی دعوت کر دی تھی۔ اب جو وہ جا کر کھولتی ہیں ناشتہ دان تو بجائے پوری کباب کے برگد کے پتے اور بجائے کباب کے چھوٹی مٹی کے ڈھیلے ملے تھے۔ دیکھتے ہی پہلے تو چہرہ فق ہو گیا۔ اس کے بعد مارے غصہ کے ناشتہ دان باہر پھینک دیا اور لگیں رونے۔ میں اسی طرف یہ تماشہ دیکھنے کے لئے ٹہل رہی تھی، فوراً ناشتہ دان اٹھا کر کہتی ہوئی کمرے میں گھس گئی: "یہ کس نے پھینکا ہے۔" دیکھتی کیا ہوں کہ مس کلائیڈ کھسیانا رونا رو رہی ہیں اور مس ولیم اور مس فاطمہ ہنسی کے مارے دہری ہوئی جاتی تھیں میں نے جو پوچھا کہ استانی جی کیا ہوا" تو جل کر بولیں۔ "تیری ساس کا کلیجہ" میں نے کہا۔ اس کے علاوہ تو مس فاطمہ نے کہا کہ کوئی انکی پوریاں اور کباب کھا گیا۔ ان کے یہ کہتے ہی مس کلائیڈ نے جھلا کر کہا۔ اس اسکول میں چور لڑکیاں پڑھتی ہیں اور کمینہ پن کی چوریاں کرتی ہیں چوٹیاں کہیں کی۔"

میں نے کہا: "استانی جی اپنا کھالادوں" ناچ ہی تو گئیں۔ یہ سُن کر اور جھنجھلا کر بولیں: "چل دُور ر ر"

ادھر مس فاطمہ مارے ہنسی کے مس ولیم پر قلابازی کھا گئیں، مختصر یہ کہ دن بھر چڑیلا نے فاقہ کیا اور ہم سب نے مذاق اڑایا۔

تارہ یہ قصہ بیان کر رہی تھی کہ کھانا آ گیا۔ ہم سب نے دلچسپ گفتگو

ساتھ ہنس کھیل کر کھانا کھایا اور کھانے سے فارغ ہو کر نگار تو اپنا موٹا پالے کر مسہری پر دراز ہو گئیں اور ہم دونوں مسہری کے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک اسکول کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر کار نگار ہی نے تارہ کو چھیڑ کر کہا۔

"اری ہاں کچھ طے وے ہوا، تیری شادی بیاہ کا قصہ یا جوان جہان یونہی بیٹھے گی ہمیشہ۔"

تارہ نے چمک کر کہا "کیوں طے کیوں نہ ہوتا یہ قصہ، کیا میں ایسی گئی گزری ہوں کہ تم لوگوں کی ہو جائے اور میں بیٹھی ہی رہوں البتہ تم لوگوں کی طرح اپنے ماں باپ پر بھاری نہیں ہوں جو اونے پونے کسی کے حوالے کر دیں۔"

نگار نے کہا "اللہ ری بے شرم، اللہ ری بے حیا کیسی قینچی کی سی زبان چلتی ہے اچھا تو کیا ہوا، کہاں ہو رہی ہے، کچھ تجھے بھی خبر ہے؟"

تارہ نے کہا "بیاہ میرا ہو رہا ہے، مجھے نہیں تو کیا تجھے خبر ہو گی۔ انہی لاٹ صاحب کے ساتھ طے ہو رہی ہے جن کے لئے میں نے تجھ کو بتایا تھا اور جن کی تصویر دکھائی تھی۔"

نگار نے کہا "تو تم آخر کب تک ہو گی؟"

تارہ نے کہا "ایسی جلدی پڑی ہے مجھ کو نکالنے کی۔ ابا کو تو ایسی جلدی

نہیں لیکن امی جان تو یہ چاہتی ہیں کہ مجھ کو آج ہی نکال باہر کریں۔ ابھی کوئی تاریخ تو ٹھہری نہیں ہے مگر خیال یہ ہے کہ اب دسمبر کی چھٹی میں میرے بار سے میرے والدین سبک دوش ہو جائیں گے حالانکہ میں بہت ہلکی ہوں مگر پھر بھی بار کہلاتی ہوں۔ اس حساب سے تم تو نگار بہن پہاڑ کہلاتی ہو گی۔"

میں نے کہا: "جب ہی تو سب سے پہلے اس پہاڑ کو خالہ اماں (نگار کی والدہ) اور خالو آبا نے سر سے اتارا۔"

نگار نے کہا: "تو دسمبر کو اب دن ہی کتنے ہیں۔ اگست ہے ہی۔ ستمبر اکتوبر نومبر اور لیجیے دسمبر۔ کل تین مہینے بیچ میں ہیں۔"

تارہ نے کہا: "جی ہاں۔ اس کے باوجود ان حضرت کو بڑی فکر ہے کہ کسی طرح جلدی ہو جائے۔ ایسا بے صبر مردوا ابھی میں نے نہیں دیکھا۔"

نگار نے کہا: "کون مردوا؟"

تارہ نے کہا: "ارے وہی ہمارے ہونے والے دولہا میاں صاحب قبلہ۔ بھئی اللہ ہمیں شرم آجائے گی۔"

نگار اور میں اس کی اس حرکت پر ہنسی کے مارے بیتاب ہو گئیں عجیب ادا سے اس نے کہا تھا کہ بھئی اللہ ہمیں شرم آجاتے گی۔ نگار نے ہنسی کے سخت دورے میں مبتلا ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں پھر ذرا اسی طرح کہہ دے۔ کیونکہ شرم آجائے گی۔"

تارہ نے شرارت سے کہا "شرم آئے تیری ساس کو، تیری ساس کی ساس کو اور ساس کی ساس کو، میری بلا سے شرمائے میں تو نہیں شرماتی، جا دعوے کر دے۔"

نگار نے جھینپ کر کہا "جا چڑیل نہ شرما۔ اچھا یہ تو بتا کہ کیا بے صبری دکھا رہے ہیں وہ۔"

تارہ نے کہا "ہر دوسرا تیسرا خط آتا ہے کہ جب کوئی انتظام کرنا نہیں ہے اور نہ ادھر سے کوئی انتظام ہو رہا ہے تو دسمبر کی کیا قید۔ امی جان کہتی ہیں کہ ہاں ٹھیک تو ہے وہ ٹھیک لکھ رہا ہے۔"

میں نے پوچھا "کبھی تمہارے دولہا میاں آئے بھی تمہارے گھر۔"

تارہ نے کہا "ارے ہاں یہ تو میں کہنا ہی بھول گئی دو مرتبہ تشریف لا چکے ہیں، ایک مرتبہ تو باہر ہی مردانہ مکان میں رہے لیکن دوسری مرتبہ امی جان والد کے سر ہو گئیں کہ جب نسبت پکی ہو چکی اور سب ٹھیک ہے تو اس کو گھر میں کیوں نہیں بلاتے ہو اور مجھ سے کیوں نہیں ملاتے۔"

نگار نے کہا "مجھ سے کیا مطلب یعنی تجھ سے۔"

تارہ نے کہا "ایک چانٹا دوں گی بدتمیز کہیں کی۔ ارے اپنے

سے ملنے کو کہا۔ آخر والد صاحب ان حضرت کو لے ہی آئے اور مجھ کو تنہا کمرے میں بند کر دیا گیا۔"

نگار نے کہا: "تو تم بے چاری رہ گئیں زیارت سے محروم۔"

تارہ نے کہا: "واہ میں ایسی بیوقوف تھوڑی تھی۔ میں نے کمرے ہی میں سے دروازوں کے شیشے سے چپکے چپکے دیکھنا شروع کیا۔ میاں بھیگی بلی بنے والدہ صاحبہ کو سچ مچ کی ساس سمجھ کر بیٹھے ہوئے تھے اور ہماری امی جان جمحد پیشگی ان کو داماد سمجھ کر پوج ہی تو رہی تھیں وہ حضرت ایک خفیف سے تبسم کے ساتھ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔"

یکایک صاحب کا متبسم چہرہ میری نظروں کے سامنے پھر گیا، ان کے چہرے کی ساخت ہی ایسی تھی کہ خواہ وہ کیسے ہی متین بن کر کیوں نہ بیٹھیں مگر معلوم یہی ہوتا تھا کہ ہنس رہے ہیں۔ چنانچہ سونے میں بھی یہی ہوتا تھا کہ آنکھ بند کئے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔"

تارہ برابر ان کا نقشہ کھینچ رہی تھی۔

چھوٹی چھوٹی مونچھیں۔ رنگ بھی بس جیسا نگار تمہارے دیور کا ہے یعنی کھلتا ہوا گیہواں۔ کریم رنگ کا سوٹ اس پر آسمانی رنگ کی ٹائی لگائے بیٹھے تھے اور بار بار اس طرح گھڑی دیکھ رہے تھے گویا پلٹن میں حاضری دینا ہے۔ امی جان کی ایک آدھ بات کا تو ہنس کر جواب دے دیا۔ پان

دیا گیا تو کہہ دیا کھاتا نہیں ہوں۔ لیمینڈ البتہ خوب غٹ غٹ چڑھا گئے۔

نگار نے کہا ”اری تو کیا تو برابر دیکھتی رہی ان کو۔“

تارہ نے بن کر کہا ”اے بہن کیا بتاؤں ایک مرتبہ جوان پر نگاہ پڑ گئی تو پھر کسی طرح ہٹائی نہ گئی جب تک کہ وہ اٹھ کر چلے نہیں گئے۔“

نگار نے کہا ”اللہ رے تیرے دیدے یہ ہے کلجگ کا کھیل۔“

تارہ نے کہا ”آداب عرض ہے۔ میں تو ایسی ہی بے غیرت ہوں۔ اچھا اب کھلواؤ پلاؤ پھر چلیں ذرا گھوم آئیں سب مل کر کہیں۔“

نگار نے اس کے کہتے ہی چار منگوائی اور ہم سب نے ناشتہ کرنے کے بعد موٹر پہ دریا کے کنارے کا رُخ کیا۔ دریا کے کنارے جا کر تھوڑی دیر تک اُچھل کود ہوتی رہی اس کے بعد سب اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے ایک ہی موٹر پہلے تارہ کے یہاں، پھر میرے یہاں اور آخر میں نگار کے یہاں ہم لوگوں کو پہنچانے میں کامی ہوا۔

صاحب کی رازداریاں بدستور جاری تھیں اور ادھر میں پوست کندہ حالات سے باخبر تھی اور ہر روز کی ہر بات مجھ کو معلوم ہو جایا کرتی تھی دسمبر کا مہینہ قریب تھا اور شادی گویا سر پر آگئی تھی مگر اب تک صاحب نے مجھ کو اپنے نزدیک اپنے ارادہ کی ہوا بھی لگنے نہ دی تھی۔ پہلے تو خود میں اس کرید میں رہتی تھی کہ کس طرح صاحب مجھ کو اس سلسلہ میں اپنا ہمراز بنالیں اور میں ان کا چور پکڑ لوں مگر اب مجھ میں یہ تغیر ہو گیا تھا کہ میں خود یہ چاہتی تھی کہ اس قسم کا کوئی ذکر نہ چھڑے تو اچھا ہے اس لئے کہ اگر وہ اب تک اپنے راز کو مجھ سے چھپاتے رہے ہیں تو اب

بھی چھپائیں اور میں اُن سے رازداری کا دلچسپ انتقام لے سکوں چنانچہ ہوتا یہ تھا کہ اب کچھ دنوں سے صاحب خود چھیڑ چھیڑ کر اس قسم کی گفتگو شروع کرتے تھے اور میں دانستہ شرارت کے ساتھ اس مبحث کو ٹالنے کی کوشش کرتی تھی، چنانچہ ایک دن جب رات کا کھانا کھا کر لیٹے تو آپ نے خود ہی کہا۔

"ہاں رضو۔ اب تم اپنی سوت کا ذکر نہیں کرتی ہو۔"

میں نے کہا "آپ کو یہ ذکر ناگوار گزرتا ہے تو کیا فائدہ۔ آپ کو تکلیف پہنچانے اور پریشان کرنے سے۔ میں آپ کو پریشان کرنے نہیں بلکہ آپ کی پریشانی دور کرنے آپ کے یہاں آئی ہوں۔"

صاحب نے کہا "یا یہ وجہ ہے کہ سوت کے بھیانک تصوّر سے اب تم خود ڈر گئی ہو اور تم کو خیال یہ ہو گیا ہے کہ کہیں میں سچ مچ تمہارے کہنے میں نہ آ جاؤں اور تم محض اخلاقاً کہتی ہو مگر میں کہیں سچ مچ تمہارے سر پر سوت نہ لے آؤں۔"

میں نے کہا "بھیانک تصوّر کیا معنی؟ میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں جو سوت کو موت سمجھتی ہیں، میں نے کبھی آپ سے اخلاقاً نہیں کہا ہے بلکہ اس کو میرا خدا جانتا ہے کہ یہ میری دلی خواہش ہے کہ آپ دوسری شادی کر لیں اور صاحبِ اولاد ہو جائیں۔"

صاحب نے کہا: "اچھا۔ اچھا۔ قسمیں نہ کھائیے۔ مجھ کو آپ کے بیان کا یقین ہے حلف نامہ داخل کرنے کی ضرورت نہیں مگر آپ ہیں واقعی انتہائی چغد۔ اور اگر ...... آپ واقعی دوسری شادی کرانا چاہتی ہیں تو میں داد دیتے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ واقعی نہایت مضبوط قسم کی عورت ہیں ورنہ ایک عورت اور وہ خود اپنے لئے سوت کا انتظام کرے؟ توبہ کیجئے۔"

میں صاحب کی چالاکی سمجھ گئی تھی کہ اب چونکہ شادی کا زمانہ قریب تھا لہٰذا انہوں نے بجائے اس کے کہ مبحث سے حسب معمول رسیاں تڑاتے اور الجھتے یہ ترکیب شروع کر دی تھی کہ مجھ کو داد دے رہے تھے کہ میں ان کے اس رویہ سے فائدہ اٹھا کر پھر اصرار شروع کر دوں اور وہ مفت کرم داشتن کے اصول پر چل کر مجھ کو زیر بار احسان کرتے ہوئے اپنے لئے نہیں بلکہ میرے لئے اور میرا کہنا پورا کرنے کے لئے اپنی شادی کر لیں مگر اب میں طے کر چکی تھی کہ اب یہ ذکر ہی نہ چھیڑوں گی اور اپنی طرف سے ایک لفظ بھی بطور اصرار نہ کہوں گی لہٰذا ان کی اس چالاکی کو سمجھتے ہوئے میں نے دانستہ شرارت سے کہا۔

"آپ راضی نہ ہوتے ورنہ میں بتاتی کہ یہ میرا قول میرے فعل کا آئینہ دار ہوتا اور میں جو کچھ کہہ رہی تھی کر دکھاتی۔ بہرحال اب اس ذکر کو چھوڑیئے اب اس کا کون سا تک ہے۔"

صاحب نے چالاکی سے ہنس کر کہا: "اچھا تو یہ کہیئے کہ آپ میری طرف سے اس معاملہ میں بالکل مایوس ہو چکی ہیں اور میرا فرض آپ نے ناقابلِ علاج سمجھ لیا ہے۔"

میں نے لاپروائی سے کہا: "ہاں شاید اس کو آپ نے محض اخلاق سمجھا۔ بہر حال اب جبکہ آپ کو راضی کرنے کی ہر کوشش میں مجھ کو ناکامی ہو چکی ہے تو آپ میری ناکامیوں کو مجھے کیوں یاد دلا رہے ہیں اور کیوں اس بھولے ہوئے افسانہ کو چھیڑ رہے ہیں۔"

صاحب نے کہا: "تو کیا تم اس سلسلہ میں مجھ سے خفا ہو؟"

دیکھا آپ نے، صاحب مجھ سے کہلوانا چاہتے تھے کہ میں ان سے اس سلسلہ میں خفا ہوں اگر میں یہ کہہ دیتی تو وہ مجھ کو خوش کرنے کے لئے آج ہی بلکہ اسی وقت آمادگی ظاہر کر دیتے بلکہ وہ سب کچھ میرے علم کے بغیر خود ہی طے کر چکے تھے اور اس وقت مجھ کو محض بے وقوف بنا رہے تھے مگر اب میرا ارادہ ہی کچھ اور تھا، لہٰذا میں نے بھی اس چالاکی اور شرارت کا جواب چالاکی اور شرارت سے دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں بالکل خفا نہیں ہوں بلکہ آپ کی اس محبت پر مجھ کو فخر ہے کہ باوجود میرے انتہائی اصرار کے محض میری محبت کی وجہ سے آپ اپنی دوسری شادی پر آمادہ نہیں ہوئے۔ میں جس وقت آپ کے

اس طرزِ عمل پر غور کرتی ہوں اور دنیا کے ان مردوں کو دیکھتی ہوں جو اپنی بیویوں سے چھپا چھپا کر اور یہ جانتے ہوئے کہ اس سے بیوی کو سخت اذیت اور زندگی بھر کی کوفت ہوگی دوسری شادی کرتے ہیں یا عیاشی کرتے ہیں تو میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں پھولی نہیں سماتی، آپ مجھ سے چھپا کر ایسی بات کریں گے جب کہ میرے اصرار کے باوجود آپ اس طرف رجوع نہ ہوئے اور آپ نے میرے جذبات کا ایسا خیال کیا کہ میں تو اس زندگی میں آپ کے اس ایثار کا بدلہ دے نہیں سکتی۔"

میں دیکھ رہی تھی کہ میرے ان الفاظ پر صاحب کا ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور پیر کے نیچے سے زمین نکل گئی مگر اللہ ری ان کی مردانہ چالاکی کہ باوجود اس گرفت کے وہ اپنے کو قابو میں نہ آنے دیتے تھے — فوراً اپنے کو سنبھال کر بولے۔

"میرے خیال میں جو مرد اس خیال سے کہ ان کی بیوی کو تکلیف نہ ہو اپنی خواہش کی تکمیل چُرا چھپا کر کر لیتے ہیں ان کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی بہر حال اپنی بیوی کا کچھ نہ کچھ خیال تو کرتے ہیں اور ان لوگوں سے بہتر ہیں جو بیوی کو دکھا دکھا کر اس کے سر پر سب کچھ کرتے ہیں اور اس کی چھاتی پر مونگ دلتے ہیں، میں تو اس کو ظلم سمجھتا ہوں۔"

دیکھا آپ نے میرے ذہین صاحب نے اپنے تمام طرزِ عمل کے لئے کیسا جواز ڈھونڈا ہے۔ مجھ کو ان کے اس عذر گنیاہ پر بے ساختہ ہنسی آ رہی تھی مگر میں نے بجائے ہنسنے کے ہنسی کو ضبط کر کے کہا۔

”چور ہیں وہ مرد جو بیوی سے چھپا کر بیوی کے ساتھ خیانت کرتے ہیں میں ان کو کسی حیثیت سے قابلِ معافی نہیں سمجھتی اگر وہ بلا وجہ اپنی بیوی کو اس حق سے محروم کرتے ہیں اور اس کا شریک کسی اور کو بناتے ہیں تو وہ انسانیت سوز ظلم کرتے ہیں اور اگر کسی معقول وجہ کے ماتحت وہ اس کے لئے مجبور ہوتے ہیں تو ان کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کو قائل کر کے اس سے آگاہ کرے بلکہ اس کی رضا لے کر دوسری شادی کریں اور اس کو لاعلم رکھ کر بیوقوف بنانے کے شرمناک جرم کے مرتکب نہ ہوں ورنہ میں تو بلا وجہ ایک سے زیادہ شادی کرنے والے مردوں کو بوالہواس، سیاہ کار اور بدمعاش سمجھتی ہوں اور ان کی بیویوں کو مظلوم۔“

میں اس وقت واقعی سخت غضبناک ہو گئی تھی اور خدا جانے جوش میں کہہ گئی کیا۔ آخر صاحب نے خود ہی مجھ کو روک کر کہا۔

ذرا غور تو کرو کہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم اپنے جوش میں اسلامی قانون اور احکامِ خداوندی پر اعتراض کر رہی ہو اسلام نے دو کیسی

چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے یعنی بیک وقت ایک مسلمان چار شادیاں کر سکتا ہے اور اجازت کے ساتھ ضرورت یا وجہ کی کوئی قید نہیں۔"

صاحب نے اپنے لئے شرعی آڑ بھی تلاش کر لی میں اس وقت واقعی جوش میں تھی، میں نے کہا۔

بیشک مجھ کو احکام محمدی کا احترام ہے اور شرع اسلام کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کو میں اپنا ایمان جانتی ہوں مگر آپ یہ بھی تو غور کیجئے کہ اسلام نے اس اجازت کے ساتھ کہیں پر یہ اجازت نہیں دی ہے کہ ایک بیوی سے چھپا کر اور چوروں کی طرح چالاکی اور عیاری سے شادی کی جائے بلکہ اسلامی قانون روزِ روشن کی طرح سب پر عیاں ہے۔ اگر مرد اس سے باخبر ہے کہ وہ چار شادیاں کر سکتا ہے تو عورت کو بھی اس کا علم ہے کہ اس کی بیک وقت تین سوکنیں آ سکتی ہیں پھر چوری کس بات کی علاوہ کس سے کیوں نہ عورت کو ایسا بنایا جائے کہ وہ خود سوت لانے کی کار بند کر کے اور شوہر کو اس کی اجازت دیدے کہ وہ شوق سے اپنا ایک اور گھر بسائے اس طرح چوری سے شادی کرنے کے معنی بیوی کے جذبات کا پاس کرنا نہیں بلکہ یہ ہیں کہ بیوی اور میاں کے تعلقات اچھے نہیں ہیں، میاں اپنی بیوی کو سمجھانے اور دوسری

شادی کی معقولیت اور ضرورت کو واضح کرنے سے قاصر ہے اور وہ اس مجرمانہ پردہ داری کے ساتھ شادی کر رہا ہے۔"

صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ "اچھا فرض کر لیجیے کہ ایک شوہر اپنی بیوی سے بھی تعلقات خوشگوار رکھنا چاہتا ہے اور اس کو دوسری شادی بھی کرنا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر اس نے اپنی شادی کو راز نہ رکھا تو تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں گے ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟"

میں نے اس سوال کے ہر پہلو پر غور کر کے کہا۔

"اس کو کیا چاہیے؟"

"اس کو چاہیے یہ کہ وہ بیوی سے خوشگوار تعلقات کو اور وسعت دے اور اس کے بعد اس کو رفتہ رفتہ اس بات پر آمادہ کر لے کہ بیوی خود اس کو اجازت دیدے۔"

صاحب نے پوری بات سنے بغیر کہا۔ "لیکن فرض کر لیجیے کہ کسی کی بیوی ایسی اُلٹی کھوپڑی کی واقع ہوئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "آپ تو مستثنیات سے بحث کرنے لگے۔"

صاحب سے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ملازم نے آکر کہا۔

"سرکار وہ ساڑی والا آیا ہے جس کو دو ساڑیاں بنانے کا حکم

دیا تھا۔"

میں نے کہا: "یہ رات کو ان کے تشریف لانے کا کونسا وقت ہے؟"

صاحب نے کہا: "دن بھر وہ غریب دکان پر رہتا ہے اس وقت دکان بند کر کے جا رہا ہو گا کہ آپ کے حضور میں حاضر ہوا ہے۔"

میں نے ملازمہ سے کہا: "اچھا جاؤ اگر ساڑیاں لایا ہو تو لے آؤ۔"

ملازمہ یہ سنتے ہی واپس چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں دو ڈبے لئے ہوئے آئی۔ ایک ڈبہ صاحب نے لپک کر لے لیا اور ایک میں نے۔ صاحب نے ڈبہ کھولتے ہی کہا۔

"ہاہاہا۔ یہ تو بڑی فوق البھڑک بنوائی ہے ساڑھی اس کا کام بھی لاجواب ہے اور جارجٹ بھی دو ہزار مومی کا معلوم ہوتا ہے۔"

میں اس دو ہزار مومی کی جارجٹ پر ہنس پڑی۔ صاحب نے میرے ہاتھ والے بکس کو جھپٹ کر لیتے ہوئے بولے۔

"ارے یہ بھی ویسی ہی ہے ایک ہی قسم کی، ایک ہی کام اور ایک ہی رنگ کی، دو کیا ہوں گی دوسری کسی اور رنگ کی بنوائی ہوتی۔"

میں نے کہا: "دیکھئے صاحب میں آپ کے دفتر کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتی اور نہ کوئی جواب طلب کرتی ہوں۔ آپ کا جو

جی چاہے وہاں کرتے ہیں پھر آپ میرے ان معاملات میں کیوں بول رہے ہیں۔"

صاحب نے بنانے کے لئے ہاتھ جوڑ کر کہا "اچھا سرکار معاف کیجئے مگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں خدا کے لئے اس معمّہ کو سمجھا دیجئے کہ یہ دونوں ایک ہی قسم کی کیوں ہیں؟"

میں نے صاحب سے کہا۔

"پھر وہی۔"

اور ملازمہ سے کہا کہ

"اچھا ساڑی والے سے کہہ دو کہ کل حساب بنا کر لائے اور آسمانی جارجٹ بھی لائے اس کی بھی دو بنیں گی۔"

صاحب اس دو کے پہاڑے کو دیر تک سمجھنے کی کوشش کرتے رہے اور آخر سو گئے مگر میں نے کچھ نہ بتایا۔

دسمبر کا مہینہ یعنی میرے صاحب کے دوسرے محل کے بسنے کا زمانہ آگیا۔ صاحب کی تیاریوں کا مجھ کو کوئی علم سوائے اس کے نہ تھا کہ وہ آجکل ہر موقع پر دوسری شادی کے متعلق ڈھونڈ کر جواز نکالتے تھے اور اپنے نزدیک مجھ کو اس کے لئے تیار کر رہے تھے کہ اگر میں یکایک صاحب کی دوسری شادی کا ذکر سنوں تو اس صدمہ کو برداشت کر سکوں حالانکہ میں بہت پہلے سے اس کے لئے تیار تھی اور یقین جانیئے اگر میں نے اپنے کو پہلے سے اس کے لئے آمادہ نہ کر لیا ہوتا تو میں اس خبر کو سن ہی نہیں سکتی تھی اور اب بھی جب کہ میں اپنے کو بالکل ہی آمادہ کر چکی تھی

اور صاحب کی اس خواہش کو میں نے اپنی خواہش کا رنگ دے دیا تھا میرا یہ حال تھا کہ جس قدر دن قریب آتے جاتے تھے مجھ کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ صاحب اسی قدر مجھ سے دُور ہوتے رہے تھے۔ گویا کوئی مجھ سے میری دولت، میرا دل اور میری روح کو جدا کر رہا ہے۔ چھین چھین کر جدا کر رہا ہے، ایک آدھ مرتبہ تو مجھ پر اس خیال سے ایسی تکلیف گزری کہ گھنٹوں چھُپ چھُپ کر روئی اور پھر خود ہی اپنے اس رونے پر ملامت بھی کی۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ صاحب کے یہاں کی تیاریوں کا تو مجھ کو کوئی علم نہ تھا البتہ میں خود اپنی سوت کے لئے چپکے چپکے کپڑے بنوا رہی تھی۔ اپنے کمرے کا برابر والا کمرہ میں نے صاف کرا کے ضروری سامان سے سجا دیا تھا اور اس کے بعد اسے مقفل کر دیا تھا۔ ایک نئی ملازمہ میں نے رکھ لی تھی ان سامانوں کے علاوہ نگار کی معرفت تارہ کے یہاں کے تمام حالات معلوم ہوتے رہتے تھے کہ آج وہاں کیا ہو رہا ہے اور کل کیا ہو رہا ہے، آج کل میں تارہ کے یہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے نگار سے جلد جلد ملتی تھی کسی دن اس کو بلوا لیا، کسی دن خود اس کے یہاں چلی گئی۔ چنانچہ شادی کے چند روز قبل جو میں نے نگار کو بلوایا تو اس نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ خود چلی آؤ۔ تمہارا آنا ہی ضروری ہے۔ میں یہ پیغام پاتے ہی نگار کے یہاں جا پہنچی، وہاں پہنچ کر کیا دیکھتی کیا ہوں کہ میرے صاحب کی ہونے والی

دلہن نگار کے ہارمونیم پر بے تکی گتیں بجا رہی ہے۔ مجھ کو دیکھتے ہی نگار ایک طرف سے اور تارہ ہارمونیم کو چھوڑ کر لپکیں اور میرے قریب پہنچ کر دونوں آپس میں اس زور سے ٹکرائیں کہ تارہ کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہوگا کہ کس پہاڑ سے ٹکرائی ہیں جبکہ خود نگار کا یہ حال تھا کہ اُفوہ کہہ کر کلیجہ پکڑ کر رہ گئیں۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کا بچپن ابھی تک نہیں گیا۔"

تارہ نے اپنا شانہ سہلاتے ہوئے کہا "تم ہو ہی ایسی چیز کہ تمہارے لئے لوگ لڑ مریں جان دے دیں اور جو کچھ بھی نہ کریں تھوڑا ہے۔"

میں نے کہا "اے دلہن بی اب تمہاری شادی قریب ہے اب تو اپنی اس بارہ ہاتھ کی زبنیا کو قابو میں رکھو۔"

تارہ نے چمک کر کہا "واہ اچھی کہی زبان کو قابو میں رکھوں گی تو اس بیچاری میں زنگ لگ جائے گا۔ پھر اپنے میاں کو کس زبان سے باتیں سناؤں گی۔"

نگار نے ایک دوہتڑ مار کر کہا "اری کم بخت میاں میاں بکے جاتی ہے اب کچھ دن تو شرم کر لے۔"

میں نے کہا "یہ گھونگھٹ میں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے گی۔"

نگار نے کہا "خدا کرے شادی کے بعد بھی یہ ایسی ہی خوش رہے

جیسی کہ اب ہے۔"

میں نے کہا " خوش کیوں نہ رہے گی۔ البتہ ہم لوگوں کو نہ پوچھے گی۔"

تارہ پہلے تو ایک دم سے چپ ہو گئی اور اس کے بعد لگی آنسو بہانے چپکے چپکے۔ میں نے اور نگار دونوں نے بیک وقت اس کو روتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

" ارے یہ کیا روتے کیوں لگی تم۔"

یہ کہنا تھا کہ تارہ اور زور سے رونے لگی اور میرے کندھے پر اس نے سر رکھ دیا۔ میں کم بخت یہ سمجھی کہ ہو نہ ہو نگار نے اس سے سب کہہ دیا ورنہ اس کا رونا اور رو کر میرے کندھے پر سر رکھ دینا کیا معنی رکھتا ہے میں نے بہرحال اس کو تو گلے سے لگا لیا اور آنکھ کے اشارے سے نگار سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے —— نگار نے آواز سے کہا۔

" مجھ سے کیا پوچھتی ہو جہاں میں وہاں تم مجھے کیا معلوم کیا بات ہے۔"

میں نے تارہ کو بھینچ بھینچ کر پہلے تو چمٹایا پھر اس کو بہت تسلی اور تشفی دے کر میں نے اور نگار نے پوچھا تو بمشکل تمام اس کے جواب سے

تارہ نے کہا: "ہاں بہن میرا ارادہ تو یہی تھا کہ بالکل تمہاری تقلید کروں۔"

میں اس برجستگی پر ہنس دی اور نگار نے ایک گھونسا مار کر کہا۔

"بدتمیز کہیں کی تو کیا میں نے خود نکاح پڑھایا ہے؟"

"تارہ نے کہا: "تم ہی تو کہتی تھیں کہ نکاح ہو چکا ہے مجھے کیا معلوم کہ بغیر نکاح کے اب تک ہو خیر اگر یہ بات ہے تو اسے کسی سے نہ کہنا۔"

میں ہنسی کے مارے لوٹی جا رہی تھی اور نگار اس وقت بہت بیوقوف بن رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"تارہ تیری برجستگی تو تیرے دولہا کو بھی لاجواب کر دیا کرے گی۔"

تارہ نے سلام کرتے ہوئے کہا: "جلدی میں اتنی ہی برجستگی ہو سکی ہے اطمینان سے برجستگی بناتی تو آپ دیکھتیں کہ کیا چیز ہوتی۔"

میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ نگار کی ملازمہ ایک لفافہ لئے ہوئے آ پہنچی اور اس کو نگار کے ہاتھ میں دے کر تارہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ

"آپ کے یہاں سے آیا ہے۔"

نگار نے لفافہ کھول کر پڑھا اس میں دو خط ایک ہی مضمون کے

تھے ایک نگار کے نام دوسرا میرے نام۔ یہ مانجھے کے بلاوے کے خط تھے۔ میں نے خط رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں تارہ یہ بتاؤ کہ تمہارے یہاں کیا سامان ہو رہے ہیں۔"

تارہ نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا عرض کروں سب اپنے کہے کے ہیں مجھ سے پوچھ کر کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اپنی مرضی سے جو جس کا دل چاہتا ہے کر رہا ہے۔ البتہ میں نے والد صاحب کو ایک سوٹ کا کپڑا لاتے ہوئے دیکھا تھا غالباً وہ میرے انگریز بہادر کے لئے ہوگا۔"

میں نے کہا "تو کیا تیری شادی کسی گورے ٹامی کے ساتھ ہو رہی ہے۔"

تارہ نے خاص انداز سے کہا "نو۔ نو۔ یو۔ فول۔ وہ ایک فیشن ایبل جنٹلمین ہے۔ سوٹ پہنتا ہے میز پر چھری کانٹے سے کھاتا ہے۔ کتا پالتا ہے۔"

نگار نے کہا "اور اب کتیا کا شوق ہوا ہے۔"

تارہ نے کہا "نانسنس فیلو۔ ہمارا صاحب بڑا اپ ٹو ڈیٹ ہے۔"

میں نے کہا "تارہ تجھ کو بھی وہ میم بنا کر رکھیں گے۔"

تارہ نے ہنس کر کہا "اوئیس۔ مگر نا بابا میں بال وال نہیں

کٹاؤں گی۔"

لنگار نے چائے منگانے کا حکم دیتے ہوئے کہا "اچھا تارہ آج بہت دنوں کے بعد کچھ سنا دو ہارمونیم پر پھر تو تم پیانو بجایا کرو گی۔"

تارہ نے ہارمونیم گھسیٹ کر نہایت میٹھے سُروں میں حافظ کی غزل چھیڑ دی۔

من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدہ
آہوئے دشت ہویم از ما سوا رمیدہ

اور اس مزے میں ظالم نے گائی ہے کہ لنگار اور میں محو ہو کر رہ گئے۔ غزل کے ختم ہوتے ہی چائے آ گئی ہم سب نے چائے پی اور پھر یہی طے پایا کہ اسی وقت موٹر پر دریا کے کنارے چلیں پھر ذرا کارنیول گھوما جائے اور اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ اسی پروگرام پر عمل کیا گیا۔ پہلے دریا کے کنارے گئے وہاں موٹر سے اُتر کر بالکل لب دریا تک پہنچ گئے، پانی سے تھوڑی دیر تک کھیلتے رہے۔ وہاں سے جب اندھیرا ہو گیا تو کارنیول گئے ایک گھنٹہ وہاں صرف کیا آخر میں تارہ کو اس کے مکان پر چھوڑ کر جب چلے تو راستہ میں نگار نے کہا،

"رضو۔ اپنے دل سے مجبور ہوں مجھ سے اس تقریب میں شریک نہ ہوا جائے گا۔"

میں نے کہا ۔" آپ ہیں پاگل میں آپ کو زبردستی لے چلوں گی ۔ ابھی تم کو معلوم ہی نہیں ہے کہ میں نے بھی تو یہ پروگرام بنایا ہے کہ عین شادی کے دن صاحب کو معلوم ہو جائے کہ میں اس راز سے واقف ہوں ۔"

نگار نے کہا ۔" نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا ان سے تو تم اسی طرح بے خبر رہو کہ گویا تم کچھ جانتی ہی نہیں ورنہ تمام کھیل بگڑ جائے گا ۔"

میں نے تھوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد کہا ۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو تم مگر مانجھے اور شادی میں چلیں گے ضرور ۔"

نگار نے کہا ۔" جیسا تم کہو ۔"

نگار کا مکان آچکا تھا اس کو میں وہاں چھوڑ کر گھر پہنچی ۔ صاحب میرے انتظار میں ٹہل رہے تھے مجھ کو دیکھتے ہی بولے ۔

"میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ آج آپ نے بھوکوں مارا ۔ منگائیے کھانا ۔"

صاحب نے اور میں نے ہنسی خوشی کھانا کھایا اور غپ شپ کرتے ہوئے ہم دونوں عالم خواب میں پہنچ گئے ۔

تارہ کے مانجھے میں میں نے شرکت کی اور سچ سچ کہتی ہوں کہ نہایت خوشی کے ساتھ شرکت کی، میرے دل پر کیا گزر رہی تھی اس کا خود مجھ کو اس لئے علم نہ تھا کہ میں اپنے دل کو اس وقت بالکل قابل توجہ نہ سمجھتی تھی اور اس کی ہر کیفیت کو نظر انداز کرنے کی مسلسل کوشش کر رہی تھی البتہ نگار بار بار نظر چرا کر میرے چہرے سے قلبی کیفیات کا اندازہ کرنا چاہتی تھی اور ہر مرتبہ اس کو حیرت ہوتی تھی کہ میرے چہرے پر سوائے خوشی اور لاپرواہی کے اور کوئی علامت اس کو نہ ملتی تھی۔ تارہ کو میں نے سب کے ساتھ مل کر مانجھے بٹھایا۔ تارہ کی والدہ نے میرے لئے بھی

زرد ساڑی کا جوڑا بنایا تھا، وہ میں نے پہنا اور اپنی پیاری سوت کو گھیرے بیٹھی رہی۔ بڑی بوڑھیاں ہم لڑکیوں کو آزاد کر کے جب چلی گئیں تو وہی ہنسی مذاق اور زندہ دلی شروع ہو گئی۔ نگار میری وجہ سے میرے اوپر طاری ہونے والے اثرات کو اپنے اوپر طاری کئے ہوئے تھیں۔ لیکن میں نے ان کو بھی ہنسانے اور اس اثر کو بھول جانے کے لئے تارہ سے کہا۔

"تارہ۔ تیرا دلہن بننا نگار سے زیادہ شاید کسی کو برا معلوم نہیں ہوا تو نے خواہ مخواہ اپنے دولہا کی تصویر اس کو دکھائی تھی۔"

نگار نے یکایک چونک کر کہا "کیا کہا تم نے۔ کیا مطلب اس سے تمہارا؟"

تارہ نے کہا "مطلب اس سے یہی ہے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی حاسد ہو۔ بہن تمہاری شادی ہو جانے کے بعد میں نے شادی کی ہے تم کو میرے دولہا ایسے ہی پسند تھے تو پہلے ہی تم نے کوشش کی ہوتی۔"

نگار نے جھینپ کر کہا "میں کہتی ہوں کہ تو مانجھے بیٹھی ہے اب تو اپنے حواسوں میں رہ۔ جو منہ میں آتا ہے اب بھی ہانکے جاتی ہے نہ آئے کی شرم نہ گئے کی۔"

تارہ نے کہا۔" بیشک شرم تو مجھ کو کرنا چاہیئے کہ ناجائز طور پر اپنے شوہر کی زوجیت میں جا رہی ہوں۔ رہ گئیں آپ کہ بارہ ہاتھ کا ایک شوہر موجود ہے اور اپنی سہیلیوں کے شوہر کو بھی "تکتی پھرتی" ہو۔"

نگار نے روالی صورت بنا کر کہا:" بھئی اللہ یہ کم بخت لڑکی سی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ میں کیوں کسی کے شوہر کو تکتی پھروں۔ میرا شوہر خود ایسا ہے کہ جو دیکھے آئینہ بن کر رہ جائے۔"

تارہ نے کہا:" آئینہ بننے کے لئے صرف حسن کی ہی ضرورت نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ ایسے کریہہ المنظر ہوں کہ دیکھنے والا حیرت کی وجہ سے آئینہ بن جائے۔ آپ نے اپنے شوہر نامدار کی یہ تعریف نہیں فرمائی ہے بلکہ ہجو ملیح فرمائی ہے۔"

میں نے کہا:" دیکھتی ہوں نگار اس قابلہ کی قابلیت بلا کی یہ لونڈیا ذہین ہے اگر وکیل ہوتی تو کسی کا رنگ اپنے سامنے جمنے نہ دیتی۔"

نگار نے جل کر کہا:" اللہ نہ کرے ایسی شریف بہو بیٹیاں ہوں! کون کہے گا ان صاحبزادی کو شریف کہ مانجھے میں بیٹھی ہوئی ہیں اور بارہ ہاتھ کی زبنیا ہے کہ قینچی کی طرح سے چلے جاتی ہے اور پھر زبان کے آگے خندق کر جو کچھ منہ میں آیا بک دیا۔"

تارہ نے کہا:" اچھا نگار اگر تم ایمان داری کے ساتھ یہ کہہ دو

کہ میرا ہونے والا شوہر تم کو پسند ہے تو ابھی کچھ نہیں گیا ہے صرف مانجھا ہے میں تمہارے حق میں دست بردار ہونے کو تیار ہوں تاکہ میرا ایثار ضرب المثل بن جائے ۔“

نگار نے کہا ”اچھا بہن ہم تو جاتے ہیں یہاں سے ۔ یہاں جب تک بیٹھیں گے یہی بکواس رہے گی ۔“

میں نے کہا ”نہیں نہیں تارہ اب نہ ستاؤ ہماری نگار کو ۔“

تارہ نے کہا ”اچھا تو اب گفتگو کا مبحث بدل دو اس ذکر ہی سے بیچاری کو تکلیف ہوتی ہے ۔ ہاں تو آپ کے بال بچے تو اچھے ہیں ۔“

نگار نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا ”آپ کی دعا ہے ۔“

تارہ نے بڑھیوں کی طرح منہ ٹیڑھا کرکے گردن ہلاتے ہوئے کہا ۔ ”صاحب دعا بھی عجیب چیز ہوتی ہے ۔“

میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا ”جی ہاں ۔“

نگار نے کہا ”اور صاحب شادی بھی عجیب چیز ہے ۔“

تارہ نے کہا ”دیکھو بہن رضیہ انہوں نے پھر شادی کا ذکر چھیڑا اور پھر خود ہی بکواس کہیں گی ۔“

نگار نے کہا ”تو کیا شادی کوئی مسچڑ ہے ۔“

تارہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اس کی والدہ کمرے میں آگئیں اور خاص

طور پر مجھ سے کہا۔

"بیٹی تم کو تو میں آج جانے نہ دوں گی، نگار کے یہاں سے تو ابھی سواری آگئی ہے اور یہ تو ہمیشہ اس طرح اس گھر سے گھبراتی ہیں کہ جیسے جنگل ہے یہ گھر۔"

میں نے نہایت ادب کے ساتھ کہا "مجھ کو ٹھہرنے میں کوئی عذر نہ تھا مگر میری خوشدامن صاحبہ علیل ہیں اس لئے مناسب نہیں ہے کہ میں اپنی بہن کی دلچسپی اور خود اپنی دلچسپی کے لئے ٹھہر جاؤں۔"

تھیں سمجھدار یہ سنتے ہی کہا "یہ بات ہے تو میں خود تجھ کو نکال دوں گی اگر تو ٹھہرنا بھی چاہے گی تو ٹھہرنے نہ دوں گی۔ شادی شدہ بیٹی کا اصلی گھر سسرال اور اس کے اصلی عزیز سسرالی عزیز ہوتے ہیں۔ اچھا تو تم دونوں چاء پی لو اور سدھارو۔ شام کرنے سے کیا فائدہ۔"

یہ کہہ کر بڑی بی تو چلی گئیں اور ادھر ہم تینوں میں پھر مذاق شروع ہو گیا مگر چونکہ اب تارہ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہم دونوں چلے جائیں گے لہٰذا اس نے نگار کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اسی خوشامد میں لگی رہی کہ کل پھر ہم دونوں آئیں۔ بہرحال اس نے ہم دونوں سے زبردستی گویا سینہ پر سوار ہو کر کل پھر آنے کا وعدہ لیا اس کے بعد چار پینے دی۔ چائے پی کر ہم دونوں رخصت ہوئے۔

نگار نے راستے ہی میں کہا ”رضیہ تم شاید پتھر کی بنی ہوئی ہو مگر میں کیا کروں۔ میرا دل رہ رہ کر جیسے کوئی مروڑ رہا ہے اور جس قدر وقت قریب آتا جاتا ہے میں مضمحل ہوتی جاتی ہوں۔“

میں نے کہا ”میں پتھر کی اور تم ہو: بیوقوف۔ فرق صرف آتنا ہی ہے مگر یہ بتاؤ کہ اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ تم کہتی ہو کہ صاحب سے کچھ نہ کہا جائے۔“

نگار نے بات کاٹ کر کہا ”ہاں ہرگز کچھ نہ کہو وہ خود تم سے کہیں گے اب کب تک تم سے چراتے رہیں گے۔“

نگار نے یہ جملہ نہایت غصہ سے کہا تھا۔ میں نے کہا ”اور تارہ کو بھی خبر نہ ہو۔“

نگار نے کہا ”ہرگز ہرگز نہیں۔ نکاح سے پہلے قطعاً نہیں۔ بلکہ نکاح کے بعد میں یہ کوشش کروں گی کہ تارہ کی رخصتی کے وقت مجھ کو اور تم کو تارہ کے ساتھ روانہ کیا جائے اس وقت یہ قصہ کھلنا چاہیئے اور تارہ کو اس وقت تمام قصہ سنا کر اپنا شریکِ راز بلکہ اپنا سازشی بنا لیں گے اور پھر تمہارے صاحب کو تگنی کا ناچ نچایا جائے گا تاکہ ان کو اس چوری اور رازداری کی سزا تو ملے۔“

میں نے کہا ”تو کیا تم میرے صاحب کو سچ مچ پریشان کرو گی؟“

نگار نے آنکھیں نکال کر عزم بالجزم کے ساتھ کہا۔

"بیشک۔"

میں نے کہا "ان بیچارے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

نگار نے کہا "بڑے آئے بیچارے دیکھنا تیرے بیچارے کو کیسا بے چارہ بناتی ہوں۔"

موٹر دروازے پر رکا اور نگار ہاتھ ملا کر اپنے گھر اتر گئی۔

صاحب میرے انتظار میں خدا جانے کتنے سگاروں کا خون کر چکے تھے مجھ کو دیکھتے ہی سگار کا دھواں چھوڑتے ہوئے بولے "اب بھی پوچھا تو مہربانی کی۔"

میں نے کہا "کیا آج آپ ٹینس کھیلنے نہیں گئے؟"

صاحب نے مجھ کو بناتے ہوئے کہا "آج میرے بجائے آپ ٹینس کھیلنے گئی ہوئی تھیں۔ میں بارش میں نہیں کھیل سکتا۔"

میں نے صاحب سے کمرے میں چلنے کو کہا تاکہ تبدیل لباس کر سکوں اور پھر وہی نشست ہو۔ صاحب نے کہا کہ نہیں اس وقت کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں لہٰذا مکان کی پشت کے سبزہ زار پر چلو۔ میں نے اس میں کوئی عذر نہ کیا اور لباس بھی تبدیل کرنے کا ارادہ اس لئے ملتوی کر دیا کہ میرا خیال تھا کہ آج صاحب مجھ سے اس شادی کا ذکر کریں گے اس لئے

کہ آخر کب تک وہ اس ذکر کو ٹال سکتے تھے۔ بہرحال میں ان کے ساتھ ہو لی۔

صاحب نے سبزہ زار پر پہنچ کر میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر اس طرح دبایا کہ میں بیٹھ گئی اور وہ خود بھی میرے قریب ہی بیٹھ گئے۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ آج وہ کچھ شش و پنج میں مبتلا ہیں اور کچھ سے متفکر سے معلوم ہو رہے ہیں، چنانچہ یہاں بیٹھ کر بھی وہ دیر تک اپنے پریشان خیالات کو یکجا کرنے کی کوشش میں سر جھکائے بیٹھے رہے بار بار کچھ کہنا چاہتے تھے اور پھر رک جاتے تھے آخر خود میں نے ان کی اس مشکل کو آسان بنانے کے لئے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

صاحب نے اپنی جھکی ہوئی گردن اٹھا کر میرا چہرہ دیکھا اور پھر گردن جھکا کر بولے "رضو۔ مجھ کو تم سے آج ایک خاص بات کہنا ہے۔"

میں نے صاحب کی اس جھجک کو دور کرنے کے لئے کہا "اچھا تو آپ مجھ سے بھی کوئی خاص بات کہنے کے لئے اس طرح بار بار اجازت طلب کریں گے گویا وائسرائے سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

صاحب نے ہنس کر کہا "بیشک۔ تم میری وائسرائے ہو۔ مجھ کو آج تم سے غیر معمولی بات کہنا ہے۔"

میں نے کہا "آپ نے پہلے کہی خاص بات۔ اب کہہ رہے ہیں غیر معمولی بات۔ یہ کہیئے ایک خاص بات کہنا ہے اور ایک غیر معمولی بات بہرحال، جو کچھ فرمانا ہو فرمایئے میں سراپا گوش ہوں۔"

صاحب نے کہا "رضو۔ تم نے مجھ سے بار بار یہ کہا ہے کہ —— یعنی تم۔ نے ہمیشہ مجھ سے اصرار کیا ہے کہ —— تم مجھ کو بار بار اس سلسلہ میں مجبور کرتی ہو کہ —— مجبور کرتی رہی کہ —— تم نے پوری کوشش کی ہے۔ تم کو ہمیشہ اس ذکر سے دلچسپی رہی ہے اور تم نے —— تم نے —— یعنی مجھ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی ——"

صاحب سنجیدگی کے ساتھ بڑبڑا رہے تھے اور مجھ کو ان کے اس بھولے پن پر ہنسی آرہی تھی وہ مجرم ضرور تھے مگر عادی مجرم نہیں بلکہ خامکار چنانچہ آج اعتراف جرم میں ان کی زبان کو اس قدر لغزشیں ہو رہی تھیں اور کسی طرح ان سے کچھ نہ کہا جاتا تھا۔ بہرحال جب دیر تک وہ ہکلا چکے تو مجھ سے ہنسی ضبط نہ ہوئی اور میں نے بے ساختہ ہنس کر کہا۔

"توبہ ہے کسی طرح بھی کہہ چکیئے۔ یہ آخر آج آپ کو ہو کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ نے میرا ہارمونیم توڑ ڈالا ہے یا میرا وہ لاکٹ جو آپ بنوانے گئے تھے کہیں گر پڑا۔ آخر بات کیا ہے؟"

صاحب نے میری ہنسی کے باوجود سنجیدہ رہ کر کہا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم میری شادی کرنا چاہتی تھیں ——"

میں نے بات کاٹ کر کہا: "خیر اب اس تکلیف دہ ذکر کو چھوڑیئے میں اس سلسلہ میں ایک لفظ سننا نہیں چاہتی۔"

صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "نہیں رضو تم بُرا نہ مانو تو میں تمہاری اس خواہش کو پورا کروں گا مجھ کو احساس ہے کہ اس سلسلہ میں میری پے در پے ضد نے آپ کو صدمہ پہنچایا ہے۔"

میں نے دل ہی دل میں صاحب کو ان کی ذہانت کی داد دیتے ہوئے کہا "مجھ کو آپ کے اس سلسلہ میں انکار کرنے سے قطعاً کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ میں جانتی ہوں کہ آپ میری محبت میں اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی اور شریک ہو۔ میں نے آپ کی والہانہ محبت کا جس وقت سے اندازہ کیا ہے اسی وقت سے اس سلسلہ میں خاموش ہو گئی ہوں اور اب میں اس ذکر کو اس لئے چھیڑنا نہیں چاہتی کہ کہیں میرا دل پھر نہ چاہنے لگے کہ آپ کی دوسری شادی ہو اور میرے ہاتھوں ہو۔"

صاحب نے کہا "نہیں رضو۔ تم مجھ کو معاف کر دو میں نے تمہاری اس خواہش کو ٹھکرایا۔"

میں نے کہا "بہر حال اب یہ خواہش میری خواہش ہرگز نہیں

ہے۔"

صاحب نے کہا "میں اب شادی کے لئے تیار ہوں بلکہ جلد سے جلد تمہاری اس خواہش دیرینہ کی تکمیل کروں گا۔"

میں نے کہا "جی نہیں۔ واضح رہے کہ یہ خواہش اب میری خواہش نہیں ہے میں اس سلسلہ کو اپنے ذہن سے نکال کر بالکل خالی الذہن ہو چکی ہوں۔"

صاحب نے مجھ کو مزید بے وقوف بناتے ہوئے کہا۔ "اچھا آپ کی نہ سہی میری خواہش سہی اور اگر یہ اب آپ کی نہیں بلکہ میری خواہش ہے تو آپ سے میں اجازت طلب کرنے کا پابند ہو گیا۔"

میں نے کہا "اجازت طلب کرنے کی پابند آپ سے میں ہوں نہ کہ مجھ سے آپ۔"

صاحب نے کہا "تو کیا آپ کو بھی اس قسم کی ضرورت پیش آئی ہے۔"

میں نے صاحب کے اس مذاق کو سمجھ کر کہا "خدا نہ کرے کہ آپ میرے اوپر تو کرم ہی فرمایئے میرے متعلق ایسی بات کہتے ہوئے آپ کی زبان کو لڑکھڑانا چاہیئے تھا۔"

صاحب نے ہنس کر میرے منہ پر ہلکا سا طمانچہ مارا جس پر میں رونے

کے بجائے ہنس دی اور صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر سبزہ زار سے اٹھاتے ہوتے کہا۔

"اب چلتے چلیں ۔ میں آج کملا جھریا کا ایک ایسا لاجواب ریکارڈ لایا ہوں کہ آپ بھی جھوم جائیں، کیا گاتی ہے یہ کمبخت بھی ۔"

صاحب نے کمرہ میں لاکر گراموفون بجانا شروع کر دیا۔ ادھر میں کسی خیال میں کھوئی ہوئی بظاہر گراموفون سُنتی رہی۔

آج میری سوت کی آمد آمد تھی یعنی میرے شوہر کی ایک اور شریک میری ہمسری کی ایک اور دعویدار اور میری حکومت کی ایک نئی وارثہ آرہی تھی مگر کس شان سے کہ میں خود اس کو لانے کے لئے صبح ہی سے تیاریوں میں مصروف تھی۔ کمرہ تو خیر دس پندرہ دن پہلے نہایت خاموشی کے ساتھ صاف کر رہی تھی مگر آج خود اپنے بناؤ سنگھار میں مصروف تھی مجھ کو اپنی اس کمزوری کا اعتراف ہے کہ ایک مرتبہ تو غسل خانے جاتے ہوئے کیا کیا خیال دل میں آتے کہ بے ساختہ ٹپاٹپ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ مگر خود ہی میرا دل سنبھل گیا اور میں نے اس خیال کو جگہ

نہ دی کہ یہ موقع میرے لئے افسوس کا موقع نہیں ہے بلکہ نہایت ہنسی خوشی سے تیاریوں میں مصروف رہی۔ صاحب صبح ہی گھر سے جا چکے تھے۔ لہٰذا مجھ کو اپنی تیاریوں کے سلسلے میں آزادی تھی میں ان کو سنا ہی چکی تھی کہ میری سہیلی سروپ رانی کلکتہ سے آئی ہوئی ہے کل واپس چلی جائے گی لہٰذا میں اس کے پاس جا رہی ہوں اور کل سے پہلے واپس نہ آسکوں گی۔ صاحب تو خدا سے چاہتے تھے کہ آج میں کہیں ٹل جاؤں لہٰذا "بہت اچھا سرکار" کہہ کر گویا مجھ پر احسان بھی فرما چکے تھے۔ بہرحال میں بارہ بجے سے پہلے ہی بالکل تیار ہو گئی۔ اس لئے کہ نگار نے ٹھیک بارہ بجے موٹر بھیجنے کو کہا تھا۔ خود تو وہ بیگم صاحبہ دو دن سے یہاں تھیں مگر میں روز جاتی تھی اور گھنٹہ دو گھنٹہ رہ کر واپس آجاتی تھی اس لئے کہ میرا مستقل رہنا نگار نے اور خود میں نے بھی قرین مصلحت نہ سمجھا میں ابھی تیار ہوئی تھی کہ موٹر آگیا اور میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اپنی سوت کو لانے کے لئے روانہ ہو گئی۔

تازہ کے یہاں پہنچتے ہی نگار نے ڈیوڑھی ہی میں مجھ کو دبوچ لیا اور دو تین پیار کر کے بولی۔

"میں صدقے اپنی بہو پر سے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ اندر کے اکھاڑے سے پری اتری ہے بہن کیا تمہاری ہی شادی ہے ؟"

میں نے نگار کے کان میں چپکے سے کہا "میری نہیں میرے شوہر کی

تو ہے۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ نگار کی تمام شوخی رخصت ہو گئی اور چہرے پر یکایک رنگ آیا ہے گویا رونے ہی والی ہے۔ لہٰذا میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"آج آپ کے شوفر صاحب تو ہیں کہیں غائب۔ خود بھائی صاحب غالباً موٹر لے کر آئے تھے۔ تم نے اتنی زحمت کیوں کی۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے ان کو یہ دقت پڑی۔"

نگار نے پھر چہرہ پر تازگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "سچ پوچھو تو بتاؤں اچھا چلو تارہ کے پاس وہیں آج اصل قصہ بیان ہوگا۔"

میں نے نگار کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "کون سا قصہ؟"

نگار نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "بیوقوف کہیں کی وہ قصہ نہیں بلکہ ایک اور ——"

یہ کہہ کر مجھ کو پکڑے ہوئے اس کمرہ میں پہنچی جہاں تارہ بیٹھی ہوئی تھی اور تارہ کے کمرے میں اس وقت لڑکیاں بھری ہوئی تھیں۔ مگر تارہ خاموش بیٹھی تھی۔ مجھ کو دیکھتے ہی ایک دم سے بولی۔

"اخاہ۔ آج تو آپ قوس وقزح کی بھی خالہ معلوم ہوتی ہیں اور کہکشاں کی نانی۔ قدم قدم کی خیر۔"

میں نے کہا “اور لنکا آج صرف چند گھنٹہ خاموش بیٹھ جا تو تیرا کونسا حرج ہو جائے۔”

تارہ نے بن کر کہا “ارے معاف کیجئے گا۔ میں بھول گئی تھی۔”

نگار نے کہا “اور بھی کچھ سنا کہ اس تمام بناؤ سنگھار کے ساتھ ان سرکار کو اکیلے موٹر پر تمہارے دولہا بھائی لے کر آئے ہیں۔”

میں نے کہا “تو پھر۔؟”

نگار نے کہا “تو پھر یہ کہ بہن مجھ کو تم سے یہ امُید نہ تھی کہ تم مجھ پر ہی ڈاکہ ڈالو گی وہ تو خیر عرصہ سے تمہارے لئے بے قرار تھے مگر آج معلوم ہوا کہ سرکار کو بھی انکار نہ تھا۔”

میں نے نگار کی پیٹھ پر دوہتڑ مار کر کہا “او کمبخت کیا بکتی چلی جاتی ہے۔”

تارہ نے سنجیدگی سے کہا “خیر یہ مذاق میں ٹالنے کی بات نہیں ہے ایک گھر کی تباہی اور ایک زندگی کی بقا و فنا کا مسئلہ ہے۔”

میں نے تارا کے رخسار پر ہلکا سا طمانچہ مار کر کہا “بقراط کی دُم۔”

تارہ نے کہا “یہ آپ کی تاریخ دانی کا نتیجہ ہے کہ گویا بقراط کے دُم بھی تھی۔”

اس جملہ کی بلاغت کو صرف میں سمجھ سکی اور تارہ نے بغیر کچھ سوچے

سمجھے کہا۔

"کیا سیکنڈ ہینڈ ہیں وہ حضرت؟"

میں نے کہا "بہرحال جو کچھ بھی ہیں وہ حاضر ہیں۔"

ہم لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ تارہ کی بڑی ممانی کمرہ میں آئیں اور بم کے گولے کی طرح پھٹ کر بولیں۔

"اے ہے لڑکیو۔ تم دلہن کو کیا یوں ہی بٹھائے رکھو گی۔ نہ نہلاؤ گی نہ دھلاؤ گی۔ دو بجنے کو ہوئے چار بجے برات آجائے گی اور دلہن کے نہ نہانے کا انتظام نہ دھونے کا۔"

تارہ تو خیر اپنی ممانی کو دیکھ کر گردن جھکا کر دلہن بن چکی تھیں۔ مگر نگار اور میں نے ان کو سلام کیا جس کا جواب انہوں نے یہی دیا کہ "بس اب اٹھو اور نہلاؤ، دھلاؤ اور دلہن بناؤ۔ اب باتوں کا وقت نہیں ہے جاڑوں کا دن ہے بوند بھر کا۔"

یہ کہہ کر وہ تو اپنے پائینچے سنبھالتی ہوئی باہر آگئیں اور ادھر ملازمہ نے تارہ کے کمرے سے ملے ہوئے غسل خانہ میں پانی لاکر رکھ دیا اور ہم لوگوں سے کہہ دیا کہ پانی تیار ہے۔"

تارہ نے چپکے سے کہا۔ "کیا تم لوگ نہلاؤ گی میری میت؟"

میں نے اس کے جواب میں وہ تڑاخے دار طمانچہ مارا اس بدتمیز

کے منہ پر کہ یادہی تو کرتی ہوگی اور اس کو دھکیل کر غسل خانہ میں پہنچا دیا اور کہہ دیا۔

"لے اب نہاؤ تم اپنے ہاتھ سے ہم لوگ کیا تمہاری لونڈی باندیوں میں ہیں۔"

تارہ نے اس کے جواب میں اکڑ کر کہا "میری سلیپر لاؤ۔ اے بُوا میرا جوتا صاف کرو۔" یہ کہہ کر غسل خانہ کا دروازہ بند کرلیا۔

غسل سے فارغ ہوکر تارہ باہر نکلیں تو ہم سب نے مل کر اُن کو حماقت کا کارٹون بنانے میں اپنی پوری صناعی صرف کردی اور چار بجے سے پہلے دلہن بناکر بٹھا دیا گیا۔ یہاں تک کہ تارہ کی ممانی، ان کی خالہ اور ان کی والدہ فرداً فرداً آکر دلہن کا معائنہ کر گئیں اور اظہار اطمینان کر گئیں اب ہم لوگوں نے تارہ سے سنجیدگی کے ساتھ اپیل کی کہ اب ذرا دلہن بن کر تھوڑی دیر کے لئے شرم کرلو۔ چنانچہ تارہ ذرا گردن جھکا کر اور گھٹنے پر اپنا منہ رکھ کر بیٹھ گئی۔ البتہ گھونگھٹ کے اندر سے کبھی کبھی چپکے سے بول ضرور دیتی تھی میں اور نگار دونوں اس کے اِدھر اُدھر بیٹھی ہوئی تھیں لہذا کبھی وہ مجھ سے کچھ کہہ دیتی اور کبھی نگار سے کچھ ارشاد ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ میرے زانو پر چٹکی لے کر بولی۔

"ساتھ تم ہی دونوں چلنا۔"

میں نے کہا: "چپ کوئی سن لے گا۔"

کہنے لگی: "اچھا چلو گی نا؟"

میں نے کہا: "اری تجھ سے چپ نہ بیٹھا جائے گا۔"

نگار نے کہا: "منہ سے کہہ رہی ہو۔ مارتی کیوں نہیں اس کو۔ یہ زبان سے نہیں مانے گی۔"

ہم لوگوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ باہر موٹروں کے رکنے اور اسی کے ساتھ "دولہا آگیا، دولہا آگیا" کی آوازیں فضا میں گونج اٹھیں ادھر سے نگار اور ادھر سے میں دونوں اس طرح اٹھے کہ ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔ ہم دونوں لپک کر صحن میں آگئے جہاں سے باہر دیکھنے کے لئے کھڑکیاں تھیں۔ ہم دونوں نے جلدی سے ایک کھڑکی پر قبضہ کر لیا ورنہ دوسری عورتیں جھپٹ رہی تھیں۔ کھڑکی کھول کر دیکھا تو باہر کا پورا منظر بالکل سامنے ہی تھا۔ میں نے دیکھا کہ صاحب اُسی لباس میں جو گھر سے پہن کر صبح گئے تھے موٹر سے اترے ان کے ساتھ ان کے چند دوست تھے۔ صاحب کے چہرے پر یقیناً مسرت ہونا چاہیئے تھی اس لئے کہ مسرت کا موقع ہی تھا مگر میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر تفکر کے آثار تھے، کچھ وہ سہمے ہوتے سے معلوم ہو رہے تھے اور ان کے سینہ کے اُتار چڑھاؤ سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا سانس پھول رہی ہے۔

مجھ کو ان کی اس حالت پر ترس بھی آیا اور ہنسی بھی۔ مگر نگار کو سخت غصہ آرہا تھا۔ اس نے میرا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تو کس قدر خوش ہیں۔ مارے خوشی کے پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔"

میں نے کہا "خوش تو نہیں البتہ گھبرائے ہوئے بہت ہیں جیسے کوئی چور رات کے سناٹے میں سرقہ کے نیت سے کسی کے مکان میں گھسے اور پھونک کر قدم رکھے۔"

نگار نے کہا "تو کیا چور ہونے میں کوئی شبہ بھی ہے تم طرفداری کرو مگر میرا تو خون کھول رہا ہے۔"

میں نے نگار کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا۔

"بہن ایسا نہ کہو اب ان کی خوشی کو میری خوشی اور میری خوشی کو اپنی خوشی بنالو۔ اور اس خیال کو دل سے نکال ڈالو۔ دیکھو تمہارے لئے میں اور تارہ دونوں یکساں ہیں اور اس طرح سارا کھیل خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اب تم اس قصہ سے لطف اٹھاؤ اوّل تو رنج تھا ہی نہیں اور اگر تھا بھی تو اس وقت نکل گیا۔"

نگار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ کو کھا جانے کا ارادہ کر کے گھورا اور خاموش ہورہی۔ میں نے باہر نگار کے صاحب کو دیکھ کر یکایک

کہا۔

"ارے نگار ہاں یہ تو بتاؤ کہ دولہا بھائی کو اس وقت صاحب کو دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوا وہ تو یونہی ٹہل رہے ہیں گویا کوئی بات ہی نہیں ہے۔"

نگار نے کہا "میں سارا قصہ سنا چکی ہوں۔ پہلے تو سخت خفا تھے اور مارے جوش کے قسم کھا چکے تھے کہ تارہ کے والد کو تمام قصہ سے آگاہ کردیں گے۔ مگر جب میں نے تمہاری طرف سے خوشامدانہ اصرار کیا اور تمام نشیب و فراز سمجھائے تو آپ کا مزاج درست ہوا ان کو تو تمام قصہ اسی طرح معلوم ہے جس طرح مجھ کو گویا تم کو۔ لہٰذا ان کو تعجب کیوں ہوتا۔ البتہ تمہارے صاحب کے گھبرانے کی وجہ غالباً ان حضرت کی موجودگی ہے۔"

میں نے کہا "ٹھیک کہتی ہو نگار۔ وہ موٹر سے اترنے کے بعد سے بار بار ان کو دیکھ کر نظریں بچا رہے تھے اور ان کے چہرے پر پریشانی کا مد و جزر تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے۔"

ہم لوگ دیر تک کھڑکی میں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ آخر تارہ کی والدہ نے میرا بازو پکڑ کر کہا "واہ بٹیا واہ۔ دلہن کو اکیلا چھوڑ کر تم دونوں چلی آئیں جب اس کے ساتھ جاؤ گی تو کیا کرو گی، چلو وہیں۔"

ہم دونوں تارا کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ میں نے جھک کر تارا کے کان میں کہا "مبارک ہو تمہارے وہ آ گئے۔"

تارہ نے چپکے سے کہا "خوش آمدید۔ ان کا گھر ہے شوق سے آئیں تیرا کیا اجارہ ہے۔"

نگار نے ایک ٹھوکر مار کر کہا "اری چپ۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ "پردہ کرو پردہ کرو" کا شور اٹھا اور فوراً ہی ایک بھگدڑ مچ گئی۔ تارہ کی والدہ اور ان کی خالہ اور ممانی تارہ کے پاس آگئیں اور سامنے ایک پردہ ڈال دیا گیا۔ پردہ ہوتے ہی وکیل اور گواہ دلہن کے پاس آ گئے اور میرے شوہر کے ساتھ عقد کی منظوری میری سہیلی سے لے کر چلے گئے۔ میں بالکل خاموش تھی اور نگار بھی چپ۔ صرف یہ ہوا کہ نگار نے ایک مرتبہ مجھ کو اور میں نے نگار کو عجیب نظروں سے دیکھا۔ اس کے بعد خدا جانے کس جذبہ کے ماتحت میں بے ساختہ تارہ سے لپٹ گئی اور آنکھوں سے آنسو کچھ اس طرح جاری ہو گئے کہ نگار، تارہ تارہ کی والدہ سب نے محسوس کیا کہ میں رو رہی ہوں۔ اگر میرے اس رونے کے معنی کچھ اور ہی سمجھے گئے البتہ اگر کچھ سمجھی تو نگار سمجھی اور اس کے سمجھنے ہی سے یہ قیامت آئی کہ وہ خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہم دونوں کے رونے سے تارہ بھی بغیر کچھ سوچے سمجھے رونے لگی۔

چند منٹ تک میں اسی خود رفتگی کے عالم میں رہی اس کے بعد میں نے اپنے آنسو پونچھے اور زبردستی بشاشش بننے کی کوشش کرتے ہوئے تارہ کے ایک چٹکی لے کر کہا۔

‘‘چل میں نہیں روتی تجھ چڑیل کے لئے ۔’’

تارہ کو یکایک ہنسی آ گئی۔ خیریت یہ ہوئی کہ اس کی کھلکھلاہٹ صرف میں ہی سمجھ سکی باقی سب عورتوں نے اس ہنسی کو بھی رونا ہی سمجھا نگار البتہ گردن جھکائے چپ بیٹھی رہی اور اس وقت تک چپ رہی جب تک کہ کھانے کا بکھیڑا نہ پھیل گیا۔ کھانے کے بعد دلہن کی رخصتی کی تیاریاں شروع ہوئیں اور رات کو دس بجے دلہن رخصت ہوئی جس کے ہمراہ مجھ کو اور نگار کو جانا پڑا۔

دلہن جس مکان میں جا کر اتاری گئی تھی وہ میرا مکان نہ تھا غالباً صاحب نے کسی اور مکان کا انتظام کر لیا تھا۔ اس کے لئے مکان کا تمام سامان بھی نیا اور واجبی واجبی تھا، البتہ ایک ملازمہ تھی اور ایک لڑکا کام کرنے کے لئے۔

یہاں آ کر ہم دونوں آدھی رات تک تارہ سے ہنسی مذاق کرتے رہے۔ اس کے بعد تارہ کو میں اپنی گدّی پر بٹھا کر خود دوسرے کمرے میں نگار کے ساتھ آ گئی۔ میرا صاحب سے آج ویسا ہی پردہ تھا جیسا کہ نگار

کا صاحب سے تھا۔

میں نے رات اپنے صاحب کے اس نئے محل میں ایک عجیب عالم میں گزاری۔ نگار میرے قریب ہی جس پلنگ پر لیٹی تھی وہ پلنگ رات بھر خالی پڑا رہا اور بیگم صاحبہ تمام رات میرے ہی پاس لیٹی رہیں اور لیٹی اس طرح رہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ پر گریہ کا دورَہ پڑتا تھا۔ حالانکہ میں خاموش تھی اور واقعی اب سوائے خاموشی کے چارہ ہی کیا تھا۔ اس لئے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔ مگر نگار پر تو وہ عالم تھا کہ گویا یہ واقعہ اسی کے اوپر گزر رہا ہے۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے صبح کے قریب اس سے کہا۔

"سنیئے سرکار۔ آپ کے اس رونے دھونے سے میں ایک نئی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتی ہوں۔"

نگار نے چونک کر کہا "وہ کیا؟"

میں نے کہا "آپ میری ہمدردی میں نہیں بلکہ صاحب کی محبت میں اپنی جان دیئے دیتی ہیں۔"

نگار نے کہا "میں نہیں سمجھی۔"

میں نے کہا "سمجھنے کی کوشش کرو تو سمجھو تم کو ایسا بُرا معلوم ہو رہا ہے کہ گویا تارہ نے تمہارے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے اور صاحب کے تین حصّہ دار ہو گئے ہیں۔ میں تارہ اور تم۔"

نگار نے ایک گھونسہ مار کر کہا "خدا کی مار تجھ پر اور شاباش ہے تجھ کو کہ شوہر سینہ پر مونگ دل رہا ہے اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔"

میں نے کہا "تو پھر تم ہی بتاؤ کہ سوائے مذاق کے اور کیا کروں؟ کیا اپنی تارہ کی یکجائی پر رونا شروع کروں۔"

نگار نے کہا "بہن اگر تمہارا شوہر آدمی ہے تو اس کو چاہیئے کہ تمہاری پرستش کرے اور اگر تارہ میں ذرا احساس شرافت ہے تو وہ تمہاری لونڈی بن کر رہے گی۔"

میں نے کہا۔ "واہ میری تارہ میری لونڈی بن کر کیوں رہے گی ۔ میری بہن بن کر میرے شوہر کی دلہن بن کر رہے گی اور میرے گھر کی رانی بن کر رہے گی۔"

اس وقت صبح ہو چکی تھی اور آفتاب طلوع ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ کسی کے باہر جانے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ہم لوگوں کے ساتھ جو ملازمہ آئی تھی اس نے آکر کہا۔

"چلئے بٹیا بلا رہی ہیں۔ دولہا میاں باہر گئے۔"

میں نے نگار کو پکڑ کر کھینچا اور ہم دونوں تارہ کے کمرہ میں چلے گئے تارہ نے ہم دونوں کو دیکھتے ہی کہا۔

"تشریف لائیے۔ ارے کوئی ہے آپ کے لئے حقہ لاؤ۔"

نگار نے کہا۔ "بہت خوش ہے۔"

میں نے کہا۔ "پھولی نہیں سماتی۔"

تارہ نے بن کر کہا۔ "یہ سب آپ کا حسنِ نظر ہے میں کس قابل ہوں؟"

نگار نے کہا۔ "مگر صاحب ہم نے واقعی ایسی بے غیرت عورت نہیں دیکھی۔"

تارہ نے کہا۔ "یہ بھی فیضِ صحبت ہے۔"

میں نے کہا۔ "واقعی تارہ تو ہے بے حیا۔"

تارہ نے کہا ''سب کچھ آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔''

میں اس جملہ پر ذرا چونکی۔ مگر تارہ نے لاعلمی میں یوں ہی یہ جملہ کہہ دیا تھا۔ نگار نے مجھ کو چونکتا دیکھ کر کہا۔

''اچھا تو یہ بتاؤ رضو کہ تم تارہ سے کب تک چھپاؤ گی قصہ۔''

میں ایک سناٹے میں آ گئی اور تارہ نے چونک کر کہا۔

''کیسا قصہ؟''

نگار نے کہا ''ایک بات ہے پھر بتاؤں گی۔''

تارہ نے مجھ سے بہت محبت سے کہا ''تم بتا دو میری رضو۔ بڑی اچھی بتا تو دے شاباش۔ شاباش۔''

میں نے نگار کو دیکھتے ہوئے کہا ''اچھا تو پھر میں ہی بتاؤں گی۔''

نگار نے گردن ہلا دی اور میں نے تارہ کی گردن میں باہیں ڈال کر کہا ''تارہ۔ پہلے تم اس کا وعدہ کرو کہ جو کچھ میں بتاؤں گی اس کا کسی سے تذکرہ نہ کرو گی۔ یہاں تک کہ اپنے صاحب سے بھی نہ کہو گی اور اپنے گھر میں بھی کسی سے نہ کہو گی۔ اس کے علاوہ تم مجھ کو اس سے بھی زیادہ چاہو گی جتنا اب چاہتی ہو۔''

تارہ منہ اٹھائے ہوئے میری اس سنجیدہ گفتگو کو سن رہی تھی اس نے کہا ''میں تم کو اب بھی چاہتی ہوں جی چاہتا ہے کہ تم کو اور اس نگار

کو اٹھا کر کلیجہ میں رکھ لوں۔ رہ گئی یہ بات کہ میں اس کو کسی سے نہ کہوں گی اس کا میں وعدہ کرتی ہوں۔"

میں نے کہا: "وعدہ کرو کہ تم مجھ کو اپنے صاحب سے زیادہ چاہو گی؟"

تارہ نے کہا: "اچھا اب ذرا تم منہ دھو کر تشریف لائیے۔ بدتمیز کہیں کی نہ بات کہتی ہے نہ کچھ، بک بک کئے جاتی ہے۔ اچھا اب بتاؤ بات کیا ہے؟"

میں نے تارہ کو بھینچ کر کہا: "پیاری تارہ تم پہلے میری سہیلی تھیں اب میری پیاری سوت ہو گئی ہو۔"

تارہ نے اچھل کر کہا: "چل دور۔ ارے کمبخت تجھ پر ہی گالی پڑ

ں سے سنجیدگی سے کہا: "تارہ تمہاری شادی میرے شوہر کے ساتھ ہو گئی ہے اور میری ہی خواہش کے مطابق ہوئی ہے مگر صاحب کو اس کا علم نہیں ہے کہ مجھ کو یہ راز معلوم ہے اور نہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ وہ تمہارے ساتھ شادی کر رہے ہیں۔"

تارہ مبہوت ہو کر بیٹھ گئی اور اس نے عجیب وحشت کے ساتھ نگار کو گھورا۔ نگار نے سنجیدگی کے ساتھ تمام قصہ شروع سے آخر تک من وعن بتا دیا اور تارہ سکتہ کے عالم میں مبتلا ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے ہر طرح

یقین کرنے کے بعد مجھ کو عجیب نظروں سے دیکھا اور مجھ سے لپٹ کر ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ کہا۔

"میری ——— رضو۔"

اس وقت میرا دل بھی بھر آیا اور میں نے کہا۔

"میری ——— تارہ۔"

ہم دونوں دیر تک لپٹے رہے اور نگار ہم دونوں سے علیحدہ بیٹھی روتی رہی۔ آخر جب ملازمہ نے آکر ناشتہ لانے کی اجازت مانگی تو ہم دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے۔ میں نے ناشتہ لانے کا اشارہ کر دیا اور اس کے بعد تارہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"رضو۔ تم نے اپنی محبت سے مجھ کو اپنے میں جذب کر لیا۔ ہم دونوں کی کشش نے ایک دوسرے کو تو اس قدر متصل کر دیا۔ مگر اللہ ری مرد کی چالاک ذات۔"

میں نے کہا۔ "تارہ وہ بالکل چالاک نہیں ہیں تم ان کو بالکل بھولا پاؤ گی۔"

نگار نے جل کر کہا۔ "اچھا بس۔ ہو چکی اب ان کی طرفداری۔"

تارہ نے کہا۔ "ہاں بہن تمہاری یہ طرفداری سمجھ میں نہ آئی۔"

میں نے کہا۔ "اب تم کو سب قصہ معلوم ہی ہو گیا ہے اب فی الحال

تو یہ کرو کہ اس قصّہ کو صاحب سے چھپاؤ۔ پھر ایک نہایت دلچسپ پلاٹ ہے جس پر ہم دونوں عمل کر کے اس چالاکی کا دلچسپ انتقام لیں گے۔"

ہم لوگ یہی گفتگو کرتے ہوئے ناشتہ پر بیٹھ گئے اور ناشتہ کے بعد ہی موٹر پر ہم تینوں تارہ کے گھر آ گئے جہاں سے میں تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہو کر گھر آ گئی۔

میں نے گھر پہنچ کر دیکھا کہ صاحب اس وقت لاپتہ ہیں لہٰذا جلدی جلدی کپڑے تبدیل کر کے اپنے روزمرّہ کے معمولی مشاغل میں مصروف ہو گئی تاکہ صاحب آکر کوئی تغیّر نہ پائیں۔ دراصل میں آج صاحب کی بیحد منتظر تھی کہ دیکھوں تو سہی کہ وہ کس رنگ میں ہیں۔ مجھ کو اس انتظار میں زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ آپ اس انداز سے تشریف لائے کہ گویا واقعی سفر پر سے آرہے ہیں، آتے ہی ہینڈ بیگ ایک طرف رکھ کر بولے۔

‘‘گڈ مارننگ حضور’’

میں نے کہا: "تسلیم۔ مزاج شریف۔"

کہنے لگے: "جب تک نہایت فرسٹ کلاس چاء نہ پلاؤ گی مزاج شریف نہیں ہو سکتے رذیل رہیں گے۔"

میں نے فوراً چاء کا انتظام کرنے کی ہدایت کر دی اور صاحب غسل خانے تشریف لے گئے۔ میں اس وقت دل ہی دل میں ہنس رہی تھی کہ یہ کس قدر بن رہے ہیں اور کس قدر بنا رہے ہیں۔ مگر چونکہ ان سے انتقام لینے کی زبردست اسکیم میرے ذہن میں موجود تھی کہ آج یہ مجھ کو اس طرح بنا رہے ہیں کل خود ان ہی کو بنایا جائے گا۔

غسل خانہ سے نکل کر صاحب چاء پینے میں مصروف ہو گئے مجبوراً مجھ کو بھی چاء پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کہنے لگے۔

"کہیئے آپ اپنی سہیلی نگار بیگم سے کب سے نہیں ملی ہیں؟"

میں نے کہا: "کیوں خیریت ہے آج نگار کی یاد نے کیوں ستایا میں آج تیسرا دن ہے جب ملی تھی۔"

کہنے لگے: "کچھ نہیں یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ ان کے شوہر صاحب قبلہ سے ملاقات ہو گئی تھی۔"

"اب میں سمجھی کہ یہ نگار کو کیوں پوچھا جا رہا ہے اس روز عقد کے

وقت ان کا سامنا ہو جانا آپ کے لئے مصیبت کا سامنا تھا اور اسی خلش نے آج نگار کے متعلق یہ استفسار کرایا تھا کہ اگر نگار سے ملاقات ہوئی ہو گی تو شاید انہوں نے کچھ کہا ہو اور اس کا آپ سراغ لگائیں مگر جب میں نے نگار سے ملنے کا ذکر ہی نہ کیا تو آپ بھی بات کو ٹال گئے اور چارپی کر کہنے لگے۔"

"سفر کی خستگی ہے اور رات کو پھر سفر درپیش ہے لہٰذا تھوڑی دیر سو رہنا چاہیئے۔"

میں نے کہا۔ "پھر سفر درپیش ہے؟ یہ کیا؟"

کہنے لگے۔ "ہاں آج دو روز کے لئے ذرا علی گڑھ جانا ہے نہایت ضروری کام ہے۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا کر چپ ہو رہی اور صاحب سونے کے لئے مسہری پر چلے گئے، جب صاحب سو گئے تو میں نے سوچا کہ جو پلاٹ میرے ذہن میں ہے آخر اس کو آج ہی سے کیوں نہ شروع کر دوں۔ کچھ دیر اس کے نشیب و فراز پر غور کیا۔ پھر نگار کو محض اس مضمون کا ایک خط لکھ دیا کہ

"پیاری نگار۔ اب ہم کو اپنا پلاٹ شروع کرنے میں آخر دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صاحب اس وقت تک

مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ میری رائے میں تم دولہا بھائی کے ہمراہ چلی آؤ۔ مشکل تو ضرور ہے لیکن اگر تارہ بھی آسکے تو کیا کہنا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ پردہ میں رہے گی۔ صاحب کو خبر بھی نہ ہوگی۔

تمہاری رضیہ

اس خط کو بھیج کر میں وقت گزاری کے لئے کچھ کام کرنے لگی۔ مگر نگار نے میرے خط کی فوراً ہی تعمیل کی اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر اس کا موٹر آپہنچا۔ میں نے کمرہ کا دروازہ بند کرکے نگار کو اتارا، اس کے ساتھ تارہ بھی تھی۔ میں نے نگار سے پوچھا۔

"دولہا بھائی کو ساتھ لائی ہو نا؟"

نگار نے کہا "ہاں ان کو خوب اچھی طرح سمجھا بجھا کر لائی ہوں اور تارہ کو بھی پوری اسکیم بتادی ہے یہ بھی اسکیم سے متفق ہیں کہ بظاہر دونوں نہایت سخت قسم کی سوتیں بن کر رہیں اور میاں جی کو تگنی کا ناچ نچایا جائے۔"

میں نے کہا "تو پھر دولہا بھائی کو گھر ہی میں بلا لو۔ اس لئے کہ وہی تو اس پلاٹ کا افتتاح کریں گے۔"

نگار نے کہا "ہاں ہاں بلا لو۔ وہ تو تم خدا سے چاہتی ہو کہ میرے

میاں سے بے تکلفی بڑھا کر ان کو ہاتھ سے بے ہاتھ کر دو۔"

میں نے ایک ہلکا سا طمانچہ نگار کے رخسار پر مار کر تارہ کو چھیڑتے ہوئے اپنے کمرے کا رخ کیا اور اسی کمرے میں جو میں نے تارہ کے لئے درست کیا تھا ان دونوں کو بٹھا کر صاحب کو اٹھا دیا کہ "دولہا بھائی آئے ہیں۔"

صاحب گڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور گھبرا کر بولے۔

"کون دولہا بھائی؟ ـــــ نگار کے صاحب ـــــ تو ان کو باہر بٹھوائیے۔ میں جاتا ہوں ان کے پاس۔"

میں نے کہا "نہیں وہ تو گھر ہی کے گول کمرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں نگار بھی تو آئی ہیں نا۔"

صاحب اس وقت اس مجرم کی طرح گڑبڑائے ہوئے تھے جو پولیس کی پوری گرفت میں آجانے کے بعد بھاگنے کی کوشش کرے اور بھاگنے کی ترکیب سمجھ میں نہ آئے۔ کچھ کھسیانے سے ہو رہے تھے اور مجھ کو ان کی اس کیفیت سے بڑا لطف آ رہا تھا جب میں نے ان کو پھر خاموش دیکھا تو بطور تقاضا کہا۔

"اٹھیے اب۔ وہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں وہاں جائیے تو میں چائے بھیجوں۔"

صاحب نے تھوڑی دیر درویش جیسی درویش کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے کہا: "بہت اچھا جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر صاحب اٹھے اور گول کمرے میں پہنچ کر بڑی زور سے "سلام علیکم" کا دونوں طرف سے نعرہ بلند ہوا ادھر میں، نگار اور زہرہ کے پاس پہنچ گئی۔ نگار نے دروازہ کی آڑ سے صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب میں بھی تسلیم عرض کرتی ہوں۔"

صاحب ہمیشہ نگار سے مذاق کیا کرتے تھے مگر اس وقت محض تسلیم کہہ کر رہ گئے۔ نگار کے صاحب نے نگار سے کہا۔

"بیگم صاحب ذرا ہماری بہن صاحبہ کو ہماری بھی تسلیم کہہ دیجئے۔"

میں نے کہا: "بھائی صاحب میں نے تو پہلے ہی تسلیم عرض کی تھی شاید آپ سن نہ سکے۔"

نگار کے صاحب نے کہا: "مجھ کو آج آپ کی اور بھائی صاحب کی موجودگی میں ایک بات کہنا ہے تاکہ آپ دونوں کے درمیان عرصہ تک غلط فہمی نہ رہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار عورت کی اسپرٹ ظاہر کریں، دوسرے یہ تو خود آپ کی خواہش تھی جس کی تکمیل ہوئی ہے یعنی آپ کے صاحب نے کل عقد کر لیا۔"

میں نے بن کر کہا: "اچھا! خیر آپ کی بلا سے آپ کو ہمیشہ ایسے ہی

مذاق سوجھتے ہیں۔"

صاحب سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ نگار کے صاحب نے کہا۔

"نہیں میں مذاق نہیں بلکہ سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں اب آپ کا فرض یہ ہے کہ جاہل عورتوں کی طرح سوت کے احساس سے خواہ مخواہ نہ جلیں اور ان کی قابلیت یہ ہے کہ یہ اپنی دونوں بیویوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے میں معاون ہوں۔"

میں نے اندر ہی اندر تارہ کو لپٹا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"میں کیسے اس بات کو صحیح سمجھوں جب کہ میں خود سر کھپا چکی ہوں اور کامیاب نہ ہو سکی اور اگر یہ سچ ہے تو اس صورت سے اس کو وہ شادی نہیں کہا جا سکتا جو میں چاہتی تھی بلکہ یہ تو خود ان ہی کی مرضی کی شادی ہوئی۔ رہ گئی وہ بے چاری اس سے میں کیوں بغض رکھوں گی اس کا کیا قصور۔"

نگار کے صاحب نے کہا "اب آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اپنی سوت کو خود بلا کر یہاں رکھیں اور ان کو بہن کی طرح سمجھیں۔"

میں نے کہا "بھائی صاحب۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج نہیں بلکہ آج سے بہت پہلے میں نے خود یہی چاہا تھا مگر آپ کے بھائی صاحب نے میری اس خواہش کو میری چالاکی سمجھا اور میرا اعتبار نہ کیا تو اب میں کس امید پر یہ ایثار اپنے میں پیدا کر دوں اور اگر پیدا بھی کر دوں تو اس کا کیا بھروسہ

کہ اس کو صحیح سمجھا جائے گا؟"

صاحب نے اس وقت گردن جو اٹھائی تو ان کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرے ہوئے تھے۔ یہ وہ قیامت خیز منظر تھا کہ میں ایک دم دھک سے ہو کر رہ گئی، اگر مجھ کو نگار پکڑ نہ لیتی تو یقین جانیے کہ دیوانہ وار دوڑ کر ان کے آنسو پوچھنا شروع کر دیتی تاہم میں نے گفتگو کا رُخ بدل کر کہا۔

"مجھ کو اس بات کا یقین ہے کہ انہوں نے محض میری وجہ سے اس بات کو چھپایا ہے اور ان کو اس بات کا خیال ہو گا کہ میں عورت ہوں اور عورت کی فطرت اس کو برداشت نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ کیسی ہی مضبوط ہو۔ بہرحال میں سب کچھ نظر انداز کرنے کو اب بھی آمادہ ہوں بشرطیکہ یہ اب بھی مجھ پر اعتماد کریں۔"

نگار کے صاحب نے کہا "آپ کا شکریہ۔"

پھر صاحب کی طرف رُخ کر کے بولے "اور اب آپ بتائیں کہ کیا حکم ہے؟"

صاحب نے کہا "میں تمام اختیارات اپنے 'اپنی نئی بیوی' کے انہی کو دیتا ہوں جو چاہیں اب سے لے کر قیامت تک کریں اگر میں ایک حرف بھی زبان سے نکالوں تو گناہگار۔"

صاحب کے ان الفاظ کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ دل تو چاہتا تھا کہ نازہ کا ہاتھ پکڑ کر صاحب کے پاس پہنچ جاؤں مگر مصلحتاً چپ رہی اور صرف یہ کہہ دیا۔

"مگر میرے یہ تمام اختیارات بحصہ مساوی تقسیم ہوں گے۔ مجھ پر اور میری شریک پر میرے اختیارات اس کو حاصل ہوں گے۔"

نگار کے "وہ" اور میرے اور میری سوت کے صاحب دونوں اس ناگوار بحث کو اس نتیجہ پر ختم کر کے باہر چلے گئے کہ اب صاحب کے دوسرے محل یعنی "تارہ" کو بھی اسی مکان میں آجانا چاہیئے اور ہم دونوں مل جل کر بہنوں کی طرح رہیں۔ ان دونوں کے باہر جانے کے بعد تارہ کو خدا جانے کس جذبہ نے متاثر کیا کہ وہ پہلے تو مجھ سے لپٹ گئی اور اس کے بعد بد تمیز کی یہ حرکت ملاحظہ ہو کہ میرے قدموں پر گر کر رونے لگی اس کی اس حرکت پر نگار تو منہ کھول کر رہ گئیں اور میں نے پہلے تو جلدی سے اس کو اٹھایا اس کو اپنی گود میں لٹا کر اس کے حواس درست کئے۔ اس پر اس وقت کچھ اختلاجی

کیفیت طاری تھی۔ ہاتھ پیر سرد تھے ہونٹ کانپ رہے تھے اور جسم پسینہ پسینہ تھا۔ میں نے اس کو ہر طرح سمجھا بجھا کر جب آری بنایا تو خود اسی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"رنو، کیا تم مجھ کو اپنی سوت سمجھو گی؟"

میں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا "ایسی پیاری سوت کو سوت بھی نہیں کہا جا سکتا۔ میری تارہ تو میری بہن ہے۔ میرے صاحب کی نہیں بلکہ میری بھی مالک۔"

تارہ نے دوپٹہ سے منہ چھپا کر ایک ہچکی لیتے ہوئے کہا "قسمت نے ہم دو پیاری سہیلیوں کو ایک دوسرے سے رقابت کے رشتے میں منسلک کر دیا۔"

نگار نے آگے بڑھ کر کہا "صاحب قابلیت بھی کیا چیز ہوتی ہے آپ انتہائی رنج و غم کے ماتحت سسکیاں اور ہچکیاں فرما رہی ہیں مگر تقریر میں وہ جادو ہے کہ گویا تاج محل میں جواہر سے مینا کاری فرما رہی ہیں۔ اللہ اکبر رقابت کے رشتہ میں منسلک کر دیا، کیا کوثر سے دھلی ہوئی زبان ہے۔"

تارہ کو روتے روتے جو ہنسی آئی تو اسی رونے کے سلسلہ میں کھچ کھچ اور کھل کھل کرنے لگیں۔ جب نگار نے اس کو اتنا ہنسا لیا تو ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بدتمیز کہیں کی۔ لو اور سنو بیہودہ کو بیچاری بڑی شوہر والی اور بڑی سوت والی بنی ہیں، قدموں پر گر رہی تھیں جو اس وقت رضو ایک دو چانٹے رسید کرتی تو؟"

تارہ نے کہا: "تو کیا پہلے وہ صرف سہیلی تھیں۔ اب بڑی بہن بھی ہیں۔"

میں نے کہا: "نا بابا میں بہن بھائی نہیں ہوں۔ بس سب سے اچھا سب سے پیارا اور سب سے عمدہ رشتہ سہیل کا ہے۔ تم کو نہیں معلوم کہ میں اس رشتے پر کس قدر ناز کرتی ہوں۔ تارہ اگر تجھے یہ معلوم بھی ہو جائے کہ میں تجھے کتنا چاہتی ہوں تو تجھ کو احساس ہو کہ دنیا میں ایسی بھی محبت ہو سکتی ہے!"

نگار نے کہا: "بہن! یہ فضول باتیں کیوں ہو رہی ہیں۔ کیا تم دونوں بالکل ایک دوسرے سے اجنبی ہو جو آج یہ رسمی گفتگو کی جا رہی ہے۔ ارے ہم تینوں ایک دوسرے سے کبھی جدا ہو ہی نہیں ہو سکتے۔"

شریر تارہ نے اپنے چہرہ پر شگفتگی پیدا کرتے ہوئے کہا: "نگار بہن ایک صورت کیا یہ نہیں ہو سکتی کہ تم بھی اسی طرح ان ہی صاحب کی قلمرو میں آجاؤ، جن کی ہم دونوں رعایا ہیں۔ تم اکیلے ذرا بری معلوم ہوتی ہو۔"

نگار نے یہ سنتے ہی جھپٹی تارہ کی طرف اور تارہ میری پیٹھ کے پیچھے

چھپ گئی۔

میں نے کہا: "کیا ہرج ہے، آخر اس پر برا کیوں مانتی ہو؟"

نگار نے کہا: "میں کہے دیتی ہوں کہ اپنی اس چہیتی تارہ کو سمجھا لو، اور خود بھی ہوش کے ناخن لو۔ نہیں تو دونوں کانوں کے بیچ میں سر کر دوں گ بیہودہ کہیں کی بدتمیز۔"

تارہ نے کہا: "بہن برا مانتی ہو تو جانے دو ورنہ میں تو محبت کے مارے کہا تھا کہ یکجائی رہتی۔ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں تو دو سے تین اور بھی بھلے ہوتے۔"

نگار نے چپوری اٹھا کر کہا: "نہیں مانے گی تو۔"

تارہ نے کہا: "یہ آپ نے کب کہا تھا لیجئے مان گئے ہم۔"

ان دونوں کی جنگ ختم ہونے کے بعد نگار کو متوجہ کر کے میں نے کہا: "مذاق تو ختم کرو اب یہ بتاؤ کہ کرنا کیا ہے؟"

نگار نے کہا: "ہاں تارہ تم بھی ذرا دماغ سے کام لے کر کوئی ترکیب نکالو۔"

تارہ نے کہا: "ترکیب تو بہت آسان ہے اور آج ہی سے یہ ڈرامہ شروع ہو سکتا ہے۔ ہوگا یہ کہ آج یہ حضرت مجھ سے یہاں آنے کے متعلق کہیں گے ضرور تو میں صاف انکار کر دوں گی کہ "مجھ سے دنیا کی ہر مصیبت:

نہ جھیل جائے گی اور میں ہرگز ایک ساتھ نہ رہوں گی۔"

نگار نے کہا "ہے تو ٹھیک۔"

میں نے کہا "ٹھیک تو ہے مگر ہونا یہ چاہیئے کہ تم لوگوں کے جانے کے بعد میں صاحب پر زور ڈالوں کہ وہ ابھی اپنی دلہن کو لے آئیں وہ یقیناً میری اس خواہش کی تکمیل کے لئے بے قرار ہوں گے اور تارہ کے پاس جائیں گے اس وقت تارہ ان سے یہ کہے۔ مگر ایک بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ تارہ کے لئے کوئی بُری رائے نہ قائم کر لیں۔"

تارہ نے کہا "تو میں ضد کے طور پر نہیں بلکہ خوشامد کے طور پر کہوں گی اور یہ حیلہ تو میرے لئے بھی گویا نئی ہو گی کہ صاحب کی ایک بیوی موجود ہیں لہٰذا اس سلسلہ میں بھی تو وہ کمزور رہیں گے۔"

میں نے کہا "نہیں جی یہی ترکیب ٹھیک ہے کہ پہلے تو رضو ان سے اصرار کریں کہ وہ دلہن کو لے آئیں اور ادھر دلہن بیگم انکار کر دیں۔ اب پڑیں گے میاں جی شش و پنج میں۔ پھر دلہن کے نہ آنے پر رضو کو چاہیئے کہ وہ محاذ جنگ قائم کر دیں۔"

میں نے کہا "مگر بہن ایک بات ہے کہ یہ مذاق کا زمانہ نہایت غیر دلچسپ اور سخت پریشان کن گزرے گا۔"

نگار نے کہا "نہیں جی تم دونوں کو ابھی اپنی جگہ خوب لطف آئے

گا۔ "حضرت! البتہ یہ سوچیں گے کہ کریں تو کیا کریں۔"

تارہ نے کہا: "مگر شرط یہ ہے کہ ایکٹنگ کامیاب ہو۔"

میں نے کہا: "بالکل کامیاب۔"

نگار نے کہا: "مگر یہ تو بتاؤ کہ اس زمانہ کے لطیفوں کا علم ہم سب کو کیوں کر ہوا کرے گا؟"

میں نے کہا: "اس کا علم اس طرح ہوا کرے گا کہ ہم تینوں روز ورنہ ایک دن بیچ کر کے ایسا پروگرام بنا لیں کہ جُتے رہا کریں۔"

تارہ نے کہا: "ایک دن بیچ نہیں بلکہ روز۔"

میں نے کہا ——— "روز سہی۔ نگار کا مکان جنکشن قرار دیا جائے۔"

تارہ نے کہا۔ "مگر اس طرح یہ ہوگا کہ کچھ دن ہم دونوں علیحدہ رہیں گے اگر یہ قصہ پیدا نہ ہوتا تو دونوں آج ہی مل جاتے۔"

میں نے کہا: "صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

نگار نے کہا: "اچھا اب مولوی اسمٰعیل کی ریڈر شروع کر دی گئی۔"

تارہ نے کہا: "رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی۔"

ہم لوگ اسی قسم کی دلچسپ گفتگو شام تک کرتے رہے۔ اس کے بعد تارہ اور نگار موٹر پر ادھر سدھاریں، ادھر صاحب سے دلچسپ انتقام لینے کا پروگرام میں نے شروع کر دیا۔

صاحب کے کمرے میں جب پہنچی تو آپ ایک آرام کرسی پر آنکھیں بند کیے گم سم پڑے تھے میری آہٹ پاکر بھی نہ اٹھے۔ میں اس کیفیت کی وجہ کو چونکہ جانتی تھی، لہٰذا میں نے آرام کرسی کے بازو پر بیٹھ کر ان کے ریشمی سنہری بالوں سے اپنی انگلیاں الجھادیں اور چند منٹ نہایت خاموشی کے ساتھ سر سہلاتی رہی۔ صاحب کو اس طرح سر سہلانے سے ہمیشہ لطف آتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو نیند سی آنے لگتی ہے۔ مگر آج اس کا الٹا ہی اثر ہوا۔ وہ اپنی مصنوعی نیند سے بیدار ہو گئے۔ آنکھیں کھول کر میری طرف انفعال میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھا اور اپنے

دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھ کو دبا کر غالباً نہایت کوشش کے بعد صرف اتنا کہا۔

"رفعو۔"

میں سمجھی کہ شاید اس کے بعد اور کچھ کہیں گے مگر صاحب چپ ہو گئے اور جب دیر تک وہ کچھ نہ بولے تو میں نے کہا۔

"آپ مجھ سے کہہ رہے تھے؟"

صاحب نے رک رک کر صرف اتنا کہا "اب میں سوائے اس کے اور کہہ ہی کیا سکتا ہوں کہ میں تمہارا گناہگار ہوں۔"

میں نے ان کے ہاتھوں کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ میرے مجازی خدا ہیں۔ خدا بندوں کا گناہگار کبھی نہیں ہوتا اور پھر جب آپ حقیقی خدا کے گناہگار نہیں تو مجھ مجازی بندی کے گناہگار کیونکر ہو سکتے ہیں۔"

صاحب نے میرا ہاتھ اپنی بند آنکھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میری رفعو۔ میں نے تمہاری لاعلمی میں دوسری شادی کر کے گویا تمہارے مقدس اعتماد کو مجروح کیا۔ اب میں ہرگز اس قابل نہیں ہوں کہ تم میرے ساتھ فیاضانہ سلوک کرو۔ تم کاش تم خفا ہو گئی ہوتیں اور میں تم کو انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ منا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا مگر تمہارا یہ

نسائیت سے بالاتر سلوک میرے لئے سوائے اس کے کوئی گنجائش نہیں رکھتا کہ میں خود اپنی نگاہوں سے گر جاؤں۔ تم یقیناً عورت نہیں ہو بلکہ دیوی ہو اور تمہاری قدر نہیں بلکہ پرستش کرنا میرا فرض تھا مگر میں نے قدرت کے اس عطیہ کو نہایت کورانہ طریقہ پر ٹھکرایا اب میں کس منہ سے کہوں کہ تم مجھ کو درگذر کر سکتی ہو۔"

میں نے صاحب کی اس تقریر کے بعد نگار، تارہ اور اپنے متفقہ طور مرتب کئے ہوئے پروگرام کو خطرہ میں محسوس کیا اور وہ وقت قریب تھا کہ صاحب کے ان درد و اثر میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے متاثر ہو کر چیخ کر ان کے قدموں پر گر پڑوں مگر اس امتحان کے موقع پر میں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا، البتہ صاحب سے مخاطب ہو کر اس تکلیف دہ مبحث کو ٹالنے کے لئے مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر اب قابلیت تو بگھاریئے نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مصورِ غم علامہ راشد الخیری کے استاد معظم ہیں۔ آپ یہ فرمائیے کہ اب میری بہن کو مجھ سے کب ملائیں گے؟"

صاحب نے حیرت سے پوچھا "کون بہن؟"

میں نے ہنس کر کہا "وہی جن کو آپ نے مجھ سے اب تک چھپایا ہے۔"

صاحب نے سر جھکاتے ہوئے کہا: "اب وہ بھی آجائیں گی اور تمہارے ہی قدموں میں ان کو رکھا جائے گا تاکہ وہ تمہاری تقدیس سے کچھ حاصل کر سکیں۔"

میں نے جلدی سے کہا: "خیر بنانے کو رہنے دیجئے اور آج ہی مہربانی فرما کر ان کو یہاں لے آیئے ورنہ کہیئے تو میں خود ان کو جا کر یہاں لے آؤں۔"

صاحب نے کہا: "رضو اس قدر جلد بازی سے کام نہ لو اور نہ ہر عورت کو اپنے معیار پر دیکھو ابھی تو ان کو اس قابل بنانے کے لئے بھی ایک مدت کی ضرورت ہے کہ وہ تم سے مل سکیں، میں نے دراصل ابھی تک ان کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ خدا کرے وہ بھی مجھ کو ایسی ہی شریف النفس اور پاکیزہ خیال ملیں جیسی کہ تم ہو ورنہ میں تو کہیں کا بھی نہ رہوں گا۔"

میں نے کہا: "آپ نے اب تک اپنی مرضی سے کام لیا ہے اور مجھ پر اس سلسلہ میں قطعاً اعتبار نہیں کیا لیکن اب میں آپ سے کہتی ہوں کہ اب آپ مجھ پر اعتماد کر کے دیکھیں کہ میں اپنی اس نئی بہن سے تعلقات کو کیونکر خوشگوار بناتی ہوں، مجھ کو ان پر نہیں مگر آپ پر تو بھروسہ ہے لہٰذا آپ بغیر کسی خیال کے آج ہی ان کو لے آئیں۔"

صاحب نے کہا: "مگر رضو تم کو معلوم نہیں ہے کہ مجھ کم بخت نے

صرف تم ہی کو نہیں ان کو اور ان کے گھر والوں کو بھی دھوکہ دیا ہے اور یہ بات ان کو بھی نہیں معلوم کہ میری ایک بیوی موجود ہے لہٰذا ان کو اس قدر جلد نہ بلاؤ بلکہ مجھ کو اس کے لئے مناسب فضا پیدا کرنے کا موقع دو۔"

میں نے کہا: "بس اتنی سی بات ہے۔ بہتر ہے تو میں خود ان کے پاس جاتی ہوں اور ان کو تمام باتیں بتا کر لے آتی ہوں پھر میرا ذمہ ہے۔"

صاحب نے کہا: "نہیں نہیں، ایسا نہ کرو بلکہ اس سے بہت بہتر موقع آنے دو۔ میں آج ہی سے اس کی داغ بیل ڈال دوں گا، اور اندازہ کروں گا کہ وہ حضرت اس قسم کی یکجائی کا کس حد تک خیر مقدم کر سکتی ہیں۔"

میں نے کہا: "آخر اس میں کیا حرج ہے کہ آپ یہ قصہ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

صاحب نے کہا: "لاحول ولاقوۃ، یہ بات نہیں ہے بلکہ دراصل میں یہ نہیں چاہتا کہ اس سلسلہ میں تمہاری کوئی دل شکنی یعنی مزید دل شکنی ہو۔"

صاحب کے اس انداز سے میں متزلزل ہو گئی ہوتی مگر خیال تھا کہ تارہ آج ہی اس پروگرام کی منتظر ہو گی لہٰذا میں نے کہا۔

"اچھا تو آپ صرف یہ کیجئے کہ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تم کو اپنے اصلی گھر لے چلنا چاہتا ہوں، اس میں ان کو یقیناً کوئی عذر نہ ہو گا مگر آج ہی ان کو آجانا چاہیئے۔ کیا آپ میری اتنی سی ضد بھی پوری نہیں کر سکتے؟"

صاحب اب لاجواب ہو گئے تھے اور جب ان کو جواب دینے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو کہنے لگے: "بہتر ہے میں جاتا ہوں اور امکانی کوشش کرتا ہوں۔"

میں نے کہا: "اب امکانی کوشش کا کیا سوال ہے آپ بس ان کو اپنے اصلی گھر لے آیئے۔ اس کے بعد میں سب ٹھیک کر لوں گی۔"

صاحب نے نہایت خموشی کے ساتھ کپڑے پہنے اور اپنے چہرے پر شش و پنج کے تمام اثرات لئے ہوئے ایک سگار سلگا کر چھڑی اٹھائی اور چلنے لگے تو میں نے پھر ان کو روک کر کہا۔

"آپ چلتے وقت سلام و دعا، مصافحہ، خدا حافظ سب کچھ بھول گئے ہیں۔"

صاحب نے مسکرا کر کہا: "معاف کرنا میں اس وقت خدا جانے کہاں کھویا ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔"

میں نے کہا: "میں آپ کی اور تنہا آپ کی نہیں بلکہ اس گھر کی نصف زینت کی منتظر ہوں۔"

صاحب باہر نکل گئے اور میں نے ان کے جاتے ہی تارہ کا کمرہ کھلوایا جس کو میں پہلے ہی درست کرا چکی تھی مگر ضرورت اس کی تھی کہ

اس کو پھر جھاڑ پونچھ کر صاف کر دیا جائے۔ چنانچہ کمرے کو خوب اچھی طرح جگمگا کر میں نے پھر بند کر دیا اور خود اپنی تارہ کے انتظار میں بیٹھ کر اسی کے لئے اودی سوئیٹر بُننے لگی۔

صاحب رات گئے تشریف لائے اور تنہا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس تنہا تشریف لانے کی وجہ پوچھوں مگر میں دیکھ رہی تھی کہ وہ خود ہی نہایت پژمردہ اور پریشان سے تھے لہٰذا میں اس قصہ کو فی الحال ٹال گئی اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا تاکہ وہ اپنی پریشانی رفع کر سکیں۔ میں سمجھ گئی تھی کہ ان بیچارے نے تارہ کو لانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی ہو گی۔ مگر اس نے پروگرام کے مطابق آنے سے انکار کیا ہو گا اور اسی وجہ سے یہ بے چارے اس قدر مضمحل اور افسردہ ہیں اور مجھ سے محجوب ہیں۔ بہرحال جب میں نے اس سلسلہ میں خود کوئی

گفت گو نہ کی تو آپ نے بھی اسی میں عافیت دیکھی کہ اس بات ہی کو ٹال جائیں چنانچہ کپڑے اتار کر شب خوابی کا لباس پہننے لگے تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

صاحب نے شب خوابی کا کوٹ ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اب لیٹوں گا۔"

میں نے کہا۔ "بہت مناسب، تو پھر میں جاتی ہوں اس غریب کے پاس۔"

صاحب نے کہا۔ "کس کے پاس؟"

میں نے کہا۔ "وہی جس کو آپ اس لئے بیاہ کر لائے ہیں کہ وہ ایک تنہا رات بھر گھر میں رہے اور پھر آپ محض میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے ساتھ زیادتی کریں کہ دو دن کی بیاہی ہوئی اور آپ اس کو تنہا چھوڑ کر چلے آتے۔"

صاحب نے گردن جھکا کر کہا۔

"تو اب آپ بتائیے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔"

"یہ کیا کروں اور کیا نہ کروں" گویا ہمارے پروگرام کی پہلی کامیابی اور صاحب کا پہلا اعتراف شکست تھا۔ اپنی کامیابی پر تو میں دل ہی دل

میں بے حد خوش تھی مگر صاحب کی اس جذبے پر میں بھی الجھ رہی تھی۔ آخر میں نے اپنے کو مضبوط بنا کر کہا۔

"اسی وجہ سے میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ان کو یہاں لے آیئے۔"

صاحب نے اور بھی افسردگی کے ساتھ کہا۔

"رعنو تم اپنے معیار پر دنیا کی ہر عورت کو کیوں دیکھنا چاہتی ہو؟"

میں نے کہا: "یہ کیا بات ہوئی؟"

صاحب نے کہا: "بات یہ ہوئی کہ تم تو اس خلوص سے اُن کو بلا رہی ہو اور وہ ہیں کہ کسی طرح یہاں آنا ہی نہیں چاہتیں بلکہ جس وقت سے ان کو یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ میری دوسری بیوی ہیں کچھ عجیب رنگ ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اُن پر بیوگی طاری ہو کر رہ گئی ہے۔"

میں نے بات کاٹ کر جلدی سے کہا۔

"خدا نہ کرے۔ ایسی باتیں زبان سے نہ نکالیئے۔ بیوگی طاری ہو اس کے دشمنوں پر۔ اب تو مجھ کو اگر اپنا سہاگ پیارا ہے تو اس کے لئے بھی دل سے یہی دُعا نکلے گی کہ خدا اس کے سہاگ کو برقرار رکھے اور ہم دونوں پروانہ وار آپ کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہوں۔"

صاحب نے کہا: "جس وقت سے میں گیا ہوں ہر طرح کی خوشامد

کر رہا ہوں۔ سمجھا رہا ہوں اور دلائل سے بھی ان کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر وہ ہیں کہ کسی طرح مانتی ہی نہیں۔"

میں نے کچھ غور کرنے کے بعد کہا۔

"اچھا اب میں آپ کو ایک ترکیب بتاتی ہوں بشرطیکہ آپ اس کو پورا کر دیں۔"

صاحب نے کہا "خدا کے لئے اس دماغی پریشانی کو کسی طرح دور کرو میری روح پر تکلیف ہے۔ اگر یہی حال رہا تو کیونکر بن پڑے گی۔"

یہ گویا ہمارے پروگرام کی دوسری شاندار کامیابی تھی۔ میں نے صاحب کے چہرے پر ان الفاظ کی تشریح اور تصدیق اپنی آنکھوں سے دیکھ لی جو وہ زبان سے ادا کر رہے تھے مگر اس سلسلہ میں کچھ کہنے کے بجائے میں نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ترکیب یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ میں آپ کو اس وقت یہاں رہنے اور سونے نہ دوں گی بلکہ آپ کو الٹے پیر واپس جانا پڑے گا۔ بہتر یہ ہوتا کہ آپ مجھ کو بھی لیتے چلتے۔ میں خود ان کو سمجھاتی اور میری طبیعت کا اندازہ کر کے خود میرے ساتھ کل یہاں چلی آئیں۔"

صاحب یہ سن کر ایک عالم محویت میں کچھ دیر کے لئے کھو گئے اس کے بعد یکایک چونک کر بولے۔

"مجھ کو اس میں کوئی عذر نہیں اس لئے کہ میں تمہارے ایثار کو سمجھتا ہوں اور مجھ کو معلوم ہے کہ تم ہر خوشگوار و ناگوار صورت کو نباہ لے جاؤ گی، حالانکہ اگر تمہاری جگہ کوئی اور عورت ہوتی یعنی خود میری بیر دوسری بیوی بھی اس خواہش کا اظہار کرتیں تو میں اس کو ہرگز منظور نہ کرتا۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "پھر میں چلوں۔"

صاحب نے کہا "کیا ابھی۔ اس وقت؟"

میں نے کہا "اور نہیں تو کیا پار سال۔"

صاحب نے کہا "یہ بھلا کونسا وقت ہے کل دن میں چلنا۔"

میں نے کہا "بہتر ہے مگر آپ تشریف لے جایئے۔ مجھ کو خوش کر چکے اب کسی اور کا بھی حق ہے۔"

صاحب نے کہا "مگر میں ان سے کہہ کر اور ان کی خوشی سے آیا ہوں۔ وہ میرا انتظار نہ کریں گی۔"

میں نے اصرار سے کہا "جی نہیں ان کی خوشی اور آپ کی خوشی کیسی، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ دو دن کی دلہن وہاں اکیلی پڑی رہے اور آپ یہاں میری دل بستگی فرمائیں میری دل بستگی اسی میں ہے کہ آپ ان بے چاری کو تنہا نہ چھوڑیں اور ان کی خوشی سے نہ سہی میری خوشی سے

آپ وہیں آرام فرمائیں۔ ان کی خوشی سے آپ یہاں آ گئے تھے اب میری خوشی سے وہاں چلے جایئے۔"

صاحب نے کہا" اچھی آپ دونوں کی خوشی کہ میں اس کی تکمیل کے لئے زمین کا گز بن جاؤں اب ہم دونوں کل صبح چلیں گے۔"

میں نے کہا" جی نہیں باتیں نہ بنایئے اور چپکے سے یہاں سے تشریف لے جایئے۔"

صاحب نے کہا" بھائی صاحب میں سخت تھکا ہوا ہوں اور اب میرا ایک قدم بھی نہ اُٹھے گا خواہ آپ کچھ بھی کریں۔"

میں نے کہا" بہتر ہے تو میں تانگہ بلوائے دیتی ہوں۔ بہر صورت آپ کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا آپ کا اس وقت جانا برحق ہے!"

صاحب نے کہا" سنئے تو سہی۔"

میں نے کہا" بس اب کہنے سننے کی گنجائش نہیں۔ کپڑے پہنئے اور آداب عرض۔"

یہ کہہ کر میں نے ملازم کو تانگہ لانے کی ہدایت کر دی اور خود صاحب کی ٹوپی پر برش کرنے لگی۔ وہ حیرت سے میرا منہ دیکھ رہے تھے اور میں ان کو یہاں سے بھیجنے کے تمام انتظامات کر رہی تھی۔ آخر بمشکل تمام ان کو کپڑے پہنائے اور جانے کے لئے تیار کر دیا تو آپ نے کہا۔

اب مجھ سے بلو صبح کا جھگڑا کیوں رہے۔"

میں تو خدا سے یہی چاہتی تھی بچہ فوراً تیار ہوگئی اور تیار کیا ہوا تھا کوئی مہمان تو جا نہیں رہی تھی، اپنے ہی گھر جا رہی تھی لہٰذا میں نے موزے پہن کر جوتا پہنا اور برقعہ اٹھا لیا۔ اتنے میں تانگہ بھی آگیا اور ہم دونوں روانہ ہوگئے۔

تمام راستہ خاموشی کے ساتھ طے کرنے کے بعد جس وقت تانگہ تارہ کے مکان پر رُکا۔ صاحب نے مجھ سے کہا۔

"دیکھو رضو۔ اگر یہاں کوئی تمہاری مرضی کے خلاف ہوجائے تو تم مجھ کو معاف کرنا اور خدا کے لئے ان مسماۃ کو اتنے بلند معیار پر دیکھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

میں نے کہا: "اچھا اب چلئے گھر کے اندر سبق پڑھا چکے۔"

صاحب نے مجھ کو تانگہ پر چھوڑا اور خود گھر میں چلے گئے۔ میں تانگہ پر بیٹھی ہوں اور صاحب گھر کے اندر، نہ وہ اب آتے ہیں نہ تب آخر میں نے خود ہی ہمت کی اور تانگہ سے اُتر کر گھر میں داخل ہوگئی وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ صاحب تارہ کو کچھ سمجھا رہے ہیں اور وہ ہے کہ نہایت لاجواب ایکٹنگ کر رہی ہے مجھ کو دیکھ کر تارہ کا غالباً ارادہ یہ ہوا کہ بیساختگی میں دوڑ کر مجھ کو چمٹ جائے مگر میں نے اس کو آنکھ دبائی لہٰذا وہ بدستور

بیٹھی رہی صاحب البتہ مجھ کو دیکھ کر اس کے پاس سے ہٹ گئے اور تارہ کو اور مجھ کو بیک وقت مخاطب کر کے کہا۔

"آپ دونوں وہی ہیں جن کا ایک دوسرے سے غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔"

یہ کہہ کر آپ تو غالباً تانگہ والے کو رخصت کرنے کے لئے باہر چلے گئے۔ ادھر تارہ کی محبت نے جوش مارا تو جھپٹی میری طرف "میری رضو" کہہ کر میں نے وہیں سے ڈانٹا کہ

"خبردار اس وقت محبت کی ضرورت نہیں ورنہ سب کھیل خراب ہو جائے گا۔ تم تو سوت ہی رہو۔"

بے چاری اپنے بے تابانہ جذبے کو ضبط کر کے رہ گئی اور میں بدستور اس تھوڑے فاصلے پر کھڑی رہی۔ اتنے میں صاحب بھی باہر سے آ گئے اور آتے ہی میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"یعنی آپ ابھی تک کھڑی ہیں۔ گویا مہمان آئی ہیں۔"

میں نے کہا "میں جن کے گھر میں آئی ہوں وہ جب تک بیٹھنے کو نہ کہیں کیسے بیٹھ جاؤں؟"

تارہ نے چمک کر کہا۔

"میرا گھر تو یہ بعد میں ہوا پہلے تو آپ ہی کا ہے اور آپ ہی کو ہر طرح

کا حق حاصل ہے۔"

میں نے کہا۔

"پہلے اور بعد کی کوئی بات نہیں اب تو حق دونوں کا برابر ہے۔"

تارہ نے کہا۔

"جی نہیں آپ پھر بھی زیادہ حق دار ہیں۔ میں کس شمار میں ہوں۔"

میں نے کہا۔

"بہن یہ تمہارا خیال ہے اور یہ باتیں ناسمجھی کی ہیں اب ان حریفانہ باتوں کو چھوڑ کر ہم دونوں کو یک جہتی کے ساتھ میل جول سے رہنا ہے۔"

تارہ نے کہا۔

"میں نے آخر کونسی ناسمجھی کی بات کہی ہے یہ ٹھیک ہے کہ میں آپ کی ایسی عالی دماغی کہاں سے لاؤں مگر میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ میں نے کونسی حریفانہ بات کہی ہے۔"

صاحب اس وقت انتہائی کرب کے ساتھ گھبرا گھبرا کر ٹہل رہے تھے کبھی کبھی بیچ میں بولنے کا ارادہ کرتے تھے۔ منہ کھلتا، ہونٹ تھرتھراتے تھے مگر سوچ کر پھر چپ ہو جاتے تھے۔ دراصل اس وقت جو جلی کٹی ہم

دونوں سوتوں کے درمیان ہو رہی تھی، اس سے صاحب کا یہ حال تھا گویا ع

دوراہے پر مجھے مارا فریب حق و باطل نے

دونوں کی طرف ذریں دہی آرہے تھے مگر لطف اسی میں تھا، کاش اس منظر کو نگار بھی دیکھتی تو اس کو ہم دونوں سے زیادہ لطف آتا میں نے صاحب کی اس کیفیت کو دیکھا ادھر تارہ نے اس منظر کی سیر کی۔

پھر ہم دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو تارہ کو ہنسی آگئی مگر میں نے پھر اس کو آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈانٹا اور وہ اپنی ایکٹنگ کو خراب کرنے سے قبل ہی چل گئی۔ آخر میں نے اس سے تلخ گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

‘ بہن بُرا نہ مانو میں تم سے لڑنے کے لئے تہیں آئی ہوں بلکہ میں اس لئے آئی تھی کہ تم کو منا کر گھر لے چلوں گی تاکہ ہم دونوں مِل جُل کر محبت کے ساتھ رہیں۔"

تارہ نے کہا۔

‘ آپ کی صلح جوئی اور نیک نفسی کی پرستش کرنا چاہیئے لیکن میں کیا کروں کہ کم بخت لڑاکا ہوں گویا آپ اس قدر نیک نفسی کے ساتھ

تشریف لائی تھیں اور میں نے لڑائی کرنا شروع کر دی۔

میں نے کہا۔

"اچھا بہن میری ہی غلطی سہی اب جانے دو۔"

تارہ نے کہا۔

"نہیں صاحب آپ کی غلطی کیوں، غلطی تو میری ہے۔"

اب صاحب سے رہا نہ گیا اور انہوں نے اپنا ٹہلنا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا صاحب اب اگر اس تلخ گفتگو کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تو میں جاتا ہوں یہاں سے اور ان کو بھی لئے جاتا ہوں۔"

میں نے کہا۔

"آپ سے آخر کیا بحث جو آپ بیچ میں بولے۔ ہم دونوں میں ایسی بحث کے بعد محبت پیدا ہو سکتی ہے اور ہو گی مگر آپ کون؟"

تارہ نے کہا۔

"آپ کے نزدیک بھی میری ہی زیادتی ہے تو بہتر ہے آپ اپنے جانے سے قبل مجھ کو پہنچاتے جایئے۔"

میں نے کہا۔

"بس ایسی بات نہیں کہتے۔ بُری بات ہے تمہارا گھر اب یہ

"اس گھر کے اور کون ملا ہو سکتا ہے:"

صاحب نے مجھ سے کہا۔

"اٹھئے آپ اور چلئے یہاں سے۔ آپ نے سند کر کے یہاں آکر اور مجھ کو بلا کر یہ بہت باتیں سنوائی ہیں۔"

میں نے کہا۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ آپ سے بہتر یہ مطلب۔ آپ یوں نہیں اپنے کمرے میں جا کر لیٹئے بیٹھئے۔"

صاحب نے کہا۔

"میں اب ایک منٹ بھی نہ ٹھہروں گا۔ اگر آپ کو چلنا ہو تو چلئے ورنہ میں جاتا ہوں۔"

میں نے کہا۔

"میں اپنی اس چھوٹی بہن کو ہمراہ لئے بغیر نہ جاؤں گی۔"

صاحب نے ایک جذبے کے ساتھ ٹوپی اٹھائی اور زن زناتے ہوئے یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"تو بہتر ہے آپ ان کو لے آیئے گا میں جاتا ہوں۔"

پہلے تو میں صاحب کو روکتی رہی مگر جب وہ نہ رکے اور چلے ہی گئے تو ملازمہ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ جا کر دیکھئے کہ کدھر جاتے ہیں اس

نے تھوڑی دُور جا کر ان کا تعاقب کیا اس کے بعد آکر جواب دیا کہ "سرکار تانگہ پر کوٹھی (میرے مکان) کی طرف گئے ہیں۔"

اس طرف سے اطمینان کرنے کے بعد تارہ نے اپنی ایکٹنگ ختم کی اور میں بھی اس تصنع سے دنیائے حقیقت میں آگئی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے ہم دونوں میں رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں اور یہ طے پایا کہ صبح ہی نگار کو یہاں بُلوایا جائے اور اسکے آنے کے بعد صاحب آئیں تاکہ وہ اس تماشے کو دیکھ لیں۔

صبح ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ میں نے تارہ کو جھنجھوڑ کر کچی نیند سے اٹھا دیا کہ فوراً کسی کو خط لکھ کر بھیجو کہ نگار یہیں اس وقت چائے پیے۔ تارہ نے فوراً میری اور اپنی طرف سے نگار کو خط لکھا کہ فوراً آجاؤ تمہارا تصنیف کیا ہوا ڈرامہ اپنے شباب پر ہے اور ع

حیف بر جان سخن گر بہ سخنداں نہ رسد

ادھر میں نے اور تارہ نے مل کر چائے کا اہتمام ذرا تکلف کے ساتھ کر دیا، اس لئے کہ نگار تک تو غنیمت تھا مگر خیال یہ پیدا ہوا کہ کہیں ڈرامہ کی دلچسپی ان کے شوہر نامدار کو نہ گھسیٹ لائے، اس کے

علاوہ صاحب کو چائے بھجوانا تھی لہٰذا سب سے پہلا کام تو یہ ہوا کہ میں نے تارہ کے مشورہ سے صاحب کو خط لکھا کہ چائے بھیجی جاتی ہے۔ اس کو نوش فرما کر براہِ کرم مجھ کو آ کر لے جائیے اس لئے کہ آپ کی دوسری محل صاحبہ تو اپنے گھر جانے کی دھمکی دے رہی ہیں۔ میں آخر کہاں جانے کو کہوں۔

تارہ نے اس خط کو بہت پسند کیا اور تالیاں بجا کر بولی۔

"خط دیکھ کر اس طرح آئیں گے گویا بندوق میں رکھ کر چھوڑے گئے تھے مگر بہن تم ان کو مجھ سے بالکل ہی فرنٹ نہ کر دینا ایسا نہ ہو کہ دل پر گہرے نقش جم جائیں۔"

میں نے کہا۔

"کچھ پاگل ہوئی ہے۔ وہ بڑے صاف دل اور فرشتہ خصلت ہیں۔ تیری خوش نصیبی تھی کہ تجھ کو ایسا شوہر ملا۔"

ہم لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ نگار کی آمد کی اطلاع ہارن نے دی اور ہم دونوں دروازہ پر ایک طرف چھپ کر کھڑے ہو گئے تاکہ جب وہ اتر کر آئے تو بالکل اسکول کی طرح اس کو دوڑا دیں مگر وہ ایک ہی چالاک، ڈیوڑھی میں آتے ہی اس نے دونوں کو دیکھ لیا۔ لہٰذا ہم تینوں ٹگڈم کے انداز سے اس طرح گتھم گتھا ہوئے کہ امتیاز دشوار

ہو گیا کہ کون سے ہاتھ کس جسم سے متعلق ہیں اور کونسا پیر کس کو لہے میں لگا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد نگار نے ہم دونوں کو زبردستی مار دھاڑ کر علیحدہ کر دیا اور ایک ایک دو ہتڑ دونوں کو مار کر کہا۔

‘کم بختو۔ تم تو بالکل آپے سے گزر گئی ہو یہ قصہ آخر کیا ہے؟ تم دونوں یہاں کیسے؟ اور وہ تمہارے دولہا بھائی موٹر ہی میں بیٹھے ہیں۔”

تارہ نے کہا۔

‘موٹر پر ہی رہنے دو۔ یہاں اس مکان میں باہر کی نشست ہی نہیں ہے۔”

میں نے کہا۔

‘وہ تو خود جانتے ہوں گے کہ یہ صاحب کا مکان نہیں دوسرے والا کیمپ ہے نگران کو وہیں چائے بھجوا دو۔”

تارہ نے کہا۔

‘پہلے چائے بھیج دو پھر کوئی اور بات ہوگی۔”

میں نے کہا۔

‘دونوں جگہ ایک ایک آدمی کے ہاتھ فوراً یہ خط بھی بھجوا دوں۔”

تارہ نے چٹ پٹ یہ سب کام کر لئے اس کے بعد ہم تینوں چائے

لے کر نہایت رازداری کے ساتھ اندر والے کمرے میں جاکر بیٹھ گئے۔ اور ہم دونوں نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ نگار کو تمام افسانہ سُنانا شروع کر دیا۔

میں نے کہا۔

“میں کہوں گی۔”

تارہ نے کہا۔

“نہیں میں کہتی ہوں۔”

میں نے کہا۔

“تو چُپ۔ میں کہتی ہوں۔”

تارہ نے کہا۔

“سنو تو سہی میں کہتی ہوں۔”

نگار نے دونوں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

“دماغ کھانے کو بُلایا ہے یا چائے پلانے کو عجیب بدتمیزوں سے واسطہ پڑا ہے۔ پہلے رضو تم سُناؤ۔ پھر تارہ تم اور آخر میں میرا فیصلہ ہوگا۔”

میں نے شروع سے تمام قصہ سُنایا جس پر جابجا تارہ اور نگار کے قہقہے بلند ہوتے رہے۔ آخر وہاں سے جہاں سے کہ تارہ کے پاس

صاحب آ گئے تھے۔ تارہ نے افسانہ شروع کیا۔ یہ بھی بے حد دلچسپ تھا۔ میں خود لوٹ پوٹ گئی۔ پھر میں نے وہاں سے قصہ سُنایا جہاں سے کہ صاحب کے لوٹ آنے کے واقعات شروع ہوتے تھے اور آخر تک تمام قصہ سُنا دیا۔ قہقہوں کا ایک طوفان تھا اور میرے سینے میں سانس مشکل سے سماتی تھی۔ نگار نے اپنے کو سنبھال کر کہا۔

"میری دونوں ڈگڈگیوں نے اس ایک بندر کو نچایا خوب۔"

میں نے کہا۔

"بہن تم بھی تو اپنے بھالو کو خوب نچاتی ہو۔"

تارہ نے کہا۔

"مگر رضو تم ہی بتاؤ کہ میری اداکاری کس قدر مکمل ہے!"

نگار نے کہا۔

"تو ہمیشہ کی نقال ہے۔"

میں نے پوچھا۔

"اور میں؟"

نگار نے کہا۔

"مختصر یہ کہ میاں جی خوب اُلّو بنائے گئے۔"

اُوپر سے آواز آئی۔

"یہ خاکسار اُلّو آداب عرض کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر صاحب روشندان سے پھاند پڑے۔

ہم تینوں ایک چیخ کے ساتھ خاموش ہو گئے۔

آخر میں نے صاحب سے کہا۔

"ارے نگار ہے نگار۔"

صاحب نے لاپرواہی کے ساتھ کہا۔

"نگار کیا اُلّو سے بھی چھُپ سکتی ہے۔"

یہ کہہ کر خود نگار کے صاحب کو گھر میں بُلا لیا اور ہنس ہنس کر ہم سب کو ان کے سامنے کرنے کے بعد کہنے لگے۔

"حضرت! یہ آپ کے طفیل میں مجھ کو ایک قلبی اذیت سے نجات ملی ہے۔ میں تو خدا جانے کس رَو میں آ رہا تھا کہ دروازہ پر آپ کو دیکھ کر ارادہ کیا کہ پشت کے دروازہ سے جاؤں اِدھر سے جو گزرا اِن تینوں کے قہقہوں کی آواز آئی۔ آواز جو سُنی تو اس شرارت اور سازش کا علم ہو گیا۔ مارے خوشی کے میں نے یہی مناسب سمجھا کر روشندان سے ان تینوں پر پھاند پڑوں مگر ان میں سے ایک آدھ مر جاتا۔

بہرحال اب کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں۔ میں اس سزا کا مستحق تھا جو مجھ کو ملی۔ اور اب اپنی زندگی کا خوشگوار دَور شروع کرنا چاہتا ہوں مگر

مع نگار بہن اور ان کے صاحب بہادر کے بشرطیکہ وہ ایک شادی کریں۔"

نگار نے جلبلا کر کہا۔

"لو اور سنو۔ ذرا ہوش کے ناخن لو مجھ کو بھی رضو یا تارہ سمجھا ہے؟"

نگار کے صاحب نے کہا۔

"نہیں صاحب میری سنگل بیوی ڈبل ہے۔"

اس پر ایک قہقہہ پڑا اور مسلسل قہقہوں کی فضا پیدا ہو گئی۔

تمام شُد

سستی کتابیں، اچھی کتابیں

آپ کی گھریلو لائبریری کے لئے

شوکت تھانوی کی مزاحیہ کتابیں

• مسکراہٹیں	مزاحیہ مضامین	۱۰/-
• بہروپیا	مزاحیہ ناول	۶/-
• خبطی	مزاحیہ مضامین	۱۵/-
• لاحول ولا قوۃ	مزاحیہ ناول	۹/-
• ہم زلف	مزاحیہ مضامین	۱۵/-
• پہلی بیگم	مزاحیہ ناول	۱۰/-

بہترین ناول

• گرفتارِ وفا	پروین شریف	۱۰/-
• بھیگے ہوئے رخسار	ناظمہ طالب	۲۰/-
• پھانس	ریحانہ زیدی	۲۰/-
• ستارہ زخم بہاروں کے	ماہرو سعید کے دو دلکش ناول	۱۲/-

نفسیات

• چھٹی حس	اے بی صدیقی	۷/-
• احساسِ کمتری پر قابو	عدنان	۱۰/-

افسانے

• کونپلیں	لطیف کاشمیری	۲۵/-

شعر و شاعری

• ساحر کے گیت	ساحر	۱۰/-
• مکیش اور اس کی آواز		۱۰/-
• دھوپ کی تختی	سوہن راہی	۲۵/-
• زہر پیالہ	شفیع عقیل	۲۵/-

غیر ملکی ادب

• جاپانی لوک داستانیں	شفیع عقیل	۳۰/-
• جاپانی لوک کتھائیں	شفیع عقیل	۳۰/-
• حاجی مراد (ناول)	لیو ٹالسٹائی	۱۲/-

بچوں کے ناول

• ستاروں کی سیر	کوشن چندر	۹/-
• تین اناڑی	عصمت چغتائی	۶/-
• بونا شیطان	ایک بونے کی کہانی	۵/-
• پُراسرار حویلی کا راز	ایک پُراسرار ناول	۵/-
• مکار بڑھیا	بڑھیا کی مکاری	۵/-

خلیل جبران

• تخلیقات خلیل جبران	۷/۵۰

کتابیں منگوانے کے لئے اس پتے پر خط لکھیے

شفیع برادرز،

پوسٹ بکس ۵۸۶ کراچی-۱